ماہ نامہ
ہمدرد
نونہال
دسمبر ۱۹۸۴ء

لحمیات (پروٹینز) کے وجود سے روئے زمین پر حیات ممکن ہوئی!

حیاتِ انسانی اور صحتِ جسمانی کے لئے لحمیات (پروٹینز) خوراک کا ناگزیر حصہ ہیں۔ انسان کی انفرادیت وشخصیت اور اعمال ووظائف کی تکمیل اور خیالات کی توانائی لحمیات کے بغیر ممکن نہیں۔ لحمینا چنیدہ جڑی بوٹیوں، پروٹینز، کاربوہائیڈریٹس اور دیگر غذائی اجزا کا ایک متوازن مرکب ہے۔

روزانہ کے تھکا دینے والے کام جب جسم انسانی کے کل پرزوں کو کمزور کردیتے ہیں، تو وہ صرف پروٹینز سے دوبارہ نشوونما حاصل کرتے ہیں۔

لحمینا بجا طور پر جسم انسانی کے لئے ایک مفید اور قابلِ اعتماد غذائی معاون ہے۔

لحمینا کا روزمرہ باقاعدگی سے استعمال جسم انسانی کی نشوونما کو برقرار رکھتا ہے اور جسم میں توانائی پیدا کرتا ہے۔

خاندان کے ہر فرد کے لئے ایک مکمل غذائی ٹانک

Adarts LM-1/81

ٹیلے فون: 616001 سے 616005

ماہ نامہ

ہمدرد

نونہال

مجلس ادارت

ربیع الاول — ۱۴۰۵ ہجری

دسمبر — ۱۹۸۴ عیسوی

جلد — ۳۲

شمارہ — ۱۲

قیمت — ۳/۰۰ رُپے

سالانہ — ۳۰/۰۰ رُپے

سالانہ (رجسٹری سے) ۶۶/۰۰ رُپے

پتا:

ہمدرد نونہال

ہمدرد ڈاک خانہ، ناظم آباد، کراچی ۱۸
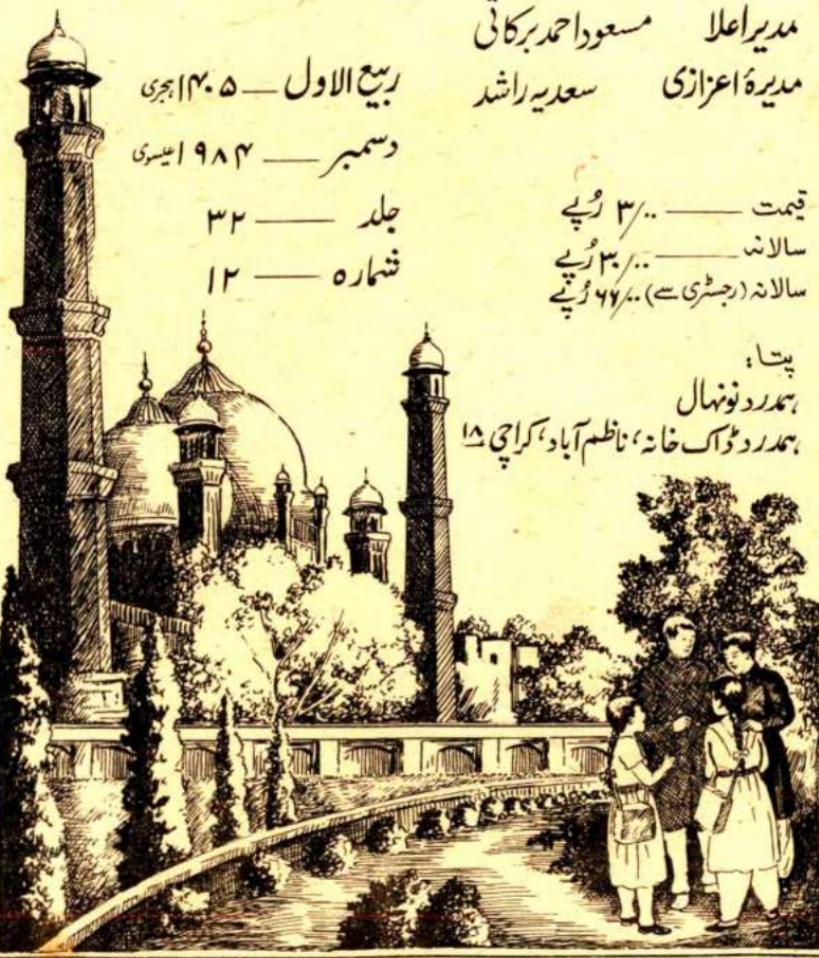
ہمدرد فاؤنڈیشن (پاکستان) نے نونہالوں کی تعلیم و تربیت اور صحت و مسرت کے لیے شائع کیا

اس رسالے میں کیا ہے؟

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیثِ نبوی آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لیے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے، لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہوں اُن کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حُرمتی سے محفوظ رکھیں۔

حکیم محمد سعید پبلشر نے ماس پرنٹرز کراچی سے چھپوا کر ادارۂ مطبوعاتِ ہمدرد ناظم آباد کراچی نمبر ۱۸ سے شائع کیا۔

امیری اور غریبی میں بہت فرق ہے اور یہ فرق دُور ہونا بہت مشکل ہوتا ہے۔ ہمارے ملک میں یہ فرق گھٹنے کے بجائے بڑھتا ہی جا رہا ہے۔ اس کا ایک یہ نقصان بھی ہو رہا ہے کہ ہر آدمی امیر بننے کی کوشش میں ہے۔ کوشش میں تو کوئی ہرج نہیں ہے بلکہ کوشش کرنا تو اچھی عادت ہے، لیکن امیر بننے کی خواہش کوشش سے بڑھ کر جنون کی حد تک پہنچ گئی ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اس خواہش کو پورا کرنے کے لیے صحیح اور جائز ذریعوں کے بجائے غلط اور ناجائز ذریعے بھی استعمال کیے جانے لگے ہیں۔ اس لیے ہر پاکستانی کو اور خاص طور پر ہر نونہال کو غور کرنا چاہیے کہ غلط طریقے اختیار کر کے اگر دولت پیدا کی جائے تو اس کا کیا فائدہ دولت کا فائدہ یہی ہوتا ہے کہ زندگی آرام سے گزرے۔ کوئی تکلیف نہ ہو، کسی کے سامنے جُھکنا اور شرمندہ ہونا نہ پڑے، لیکن اگر دولت غلط طریقوں سے حاصل کی جائے تو پھر یہ فائدہ حاصل نہیں ہوتا بلکہ آرام اور اطمینان کے بجائے فکر اور پریشانی اور شرمندگی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

اس سے ظاہر ہوا کہ اصل مقصد دولت نہیں ہے، بلکہ اصل مقصد آرام، سکون اور عزت ہے۔ اگر یہ چیزیں دولت کے بغیر ہی حاصل ہو جائیں تو غُربت بُری چیز نہیں ہے اور ان چیزوں کو حاصل کرنے کا صحیح طریقہ سادگی، کفایت اور قناعت ہے۔ قناعت کا مطلب ہے جو کچھ میسر ہے اس پر راضی اور مطمئن ہونا۔

میرے دوستو! دولت کے بجائے اطمینان کو تلاش کرو۔

تمھارا دوست اور ہمدرد
حکیم محمد سعید

پہلی بات

مسعود احمد برکاتی

سال کا آخری شمارہ پیش ہے۔ ایک سال اور ختم ہو گیا۔ نیا سال آنے والا ہے۔ وقت یونہی گزرتا رہتا ہے۔ وقت کو کوئی نہیں روک سکتا۔ ہاں جو لوگ وقت کو ضائع نہیں کرتے بلکہ کام میں صرف کرتے ہیں وہ نقصان میں نہیں رہتے اور وہ ہر آنے والے لمحے کا خوشی سے استقبال کرتے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ ہمدرد نونہال کے ننھے قارئین انھی میں سے ہیں جو وقت کا بہترین استعمال کرتے ہیں۔

ایک خوش خبری یہ ہے کہ یونیسکو کے ڈائرکٹر جنرل جناب احمد مختار امبو نے محترم حکیم محمد سعید صاحب کو ہمدرد نونہال کے خاص نمبر پر مبارک باد دی ہے اور ہمدرد نونہال کی اشاعت کو اردو خواں بچّوں کے لیے ایک مفید خدمت قرار دیا ہے۔ جناب امبو نے قومی اور بین الاقوامی پیمانے پر ہمدرد فاؤنڈیشن کی سرگرمیوں پر بھی حکیم صاحب کو مبارک باد دی ہے۔

ہم آنے والے سال کی تیاری میں مصروف ہیں۔ آپ بھی مشورہ دیجیے، تاکہ خوب سے خوب تر کی منزل جلد سے جلد آجائے۔ جیسا کہ اعلان کیا جا چکا ہے۔ نئے سال سے ہمدرد نونہال کی قیمت میں بھی اضافہ کرنا پڑا ہے، لیکن نونہالوں نے جس خوشی سے نئی قیمت کو قبول کیا اس سے ہماری ہمت اور مسرت میں اضافہ ہوا۔ بعض نونہالوں نے تو یہاں تک لکھ دیا کہ اگر ہمدرد نونہال کی قیمت دس روپے بھی رکھی جائے تو ہم اسے ضرور پڑھیں گے۔ ہم ان تمام نونہالوں کے شکر گزار ہیں، لیکن یقین دلاتے ہیں کہ ہمارا دل تو یہ چاہتا ہے کہ رسالے کی قیمت اور کم کر دیں مگر مہنگائی کو کم کرنا نہ ہمارے بس میں ہے اور نہ آپ کے۔

جنوری کے شمارے کے ساتھ آپ کو ایک خوب صورت آٹو گراف بک بھی ملے گی۔ یہ ہمدرد کی جانب سے ایک مفید تحفہ ہوگا۔ ہمیں یقین ہے کہ آپ اس میں اچھے اچھے لوگوں کے دستخط اور تحریریں جمع کریں گے اور خود بھی اچھے اچھے کام کرنے کے لیے دل لگا کر تعلیم حاصل کریں گے۔ آپ جہاں سے بھی جنوری کا شمارہ خریدیں "ہمدرد آٹو گراف بک" لینا نہ بھولیے۔ تفصیل کسی اور صفحے پر دی گئی ہے۔ —— اچھا اب، آیندہ سال ملاقات ہوگی۔

اُستاد

فیض لودھیانوی

نیک بچّے دل سے کرتے ہیں ادب استاد کا
باپ کی الفت سے بہتر ہے غضب استاد کا

عام لوگوں کی جہالت دُور کرنے کے لیے
حق تعالیٰ نے بنایا ہے سبب استاد کا

اُس کی برکت سے جہاں میں پھیلتی ہیں نیکیاں
کیوں نہ پھر استاد سے راضی ہو رب استاد کا

کچھ نہ کچھ عمدہ سبق دیتی ہے اس کی زندگی
خُلق سے خالی نہیں ہے کوئی ڈھب استاد کا

بس اُسے پڑھنے پڑھانے سے ہمیشہ کام ہے
کتنا اچھا مشغلہ ہے روز و شب استاد کا

خواہ ساری عمر اُس کے پاؤں دھو دھو کر پیے
آدمی سے حق ادا ہوتا ہے کب استاد کا

امتحاں میں حل نہ ہو جس دم کوئی مشکل سوال
خود پسندوں کو پتا چلتا ہے تب استاد کا

شُکر کے جذبات سے گردن جُھکا لیتا ہوں میں
یاد آتا ہے مجھے احسان جب استاد کا

وہ سعادت مند آخر خود بھی عزّت پائے گا
مرتبہ پہچان جائے گا جو اب استاد کا

اُس کی عالم گیر حیثیت ہے شاہوں کی طرح
کُل عجم استاد کا ہے کُل عرب استاد کا

چل رہے ہیں آج دنیا میں ہزاروں محکمے
سچ اگر پوچھو تو ہے یہ فیض سب استاد کا

ہمارے رسولِ پاک صلّی اللہ علیہ وسلّم

بشیر محمد شارق دہلوی

جہاں اِس وقت مکّہ معظّمہ آباد ہے چار ہزار برس پہلے یہ جگہ بالکل ویران پڑی تھی۔ چاروں طرف خشک پہاڑ تھے۔ بیچ میں کُھلی اور پتھّریلی زمین تھی اور اس پر ریت کی موٹی تہ بچھی ہوئی تھی۔ مشیّتِ خداوندی کا فیصلہ تھا کہ ریت کے ان ہی ذرّوں سے دنیا کے لیے آفتابِ ہدایت طلوع ہوگا۔ حضرت ابراہیمؑ اپنی پیاری بیوی ہاجرہ اور اکلوتے فرزند اسمٰعیلؑ کو اس بنجر زمین میں لائے اور چھوڑ گئے ان بزرگوں کی برکت سے یہاں ایک چھوٹی سی بستی بن گئی۔ حضرت ابراہیمؑ پھر تشریف لائے اور سعادت مند بیٹے کی مدد سے یہاں ایک مسجد بنائی اور دعا کی" اے خدا تُو اس بنجر زمین پر بسنے والی قوم کا روزی رساں ہو اور ان کی ہدایت کے لیے اپنا رسول بھیج۔" خلیل اللہ کی اس دُعا کے ڈھائی ہزار برس بعد حضور سرورِ عالم موسمِ بہار میں دوشنبہ کے دن ۹۔ ربیع الاوّل مطابق ۲۲۔ اپریل ۵۷۱ء کی صبح سعادت میں پیدا ہوئے۔ دادا نے محمد اور ماں نے احمد نام رکھا۔ حضورؐ کے دادا کا نام عبدالمطّلب، والد کا نام عبداللہ، والدہ کا نام آمنہ اور دایہ کا نام حلیمہ سعدیہ تھا۔

آپ کے دادا آپ کی ولادت کی خبر سُن کر بہت خوش ہوئے۔ ابولہب نے ولادت کی خبر سنانے والی لونڈی کو آزاد کر دیا۔ آپ کی والدہ آمنہ اس ولادت پر پھولی نہ سماتی تھیں۔

حضورؐ کا بچپن نہایت ہی پُرسوز اور معصوم تھا۔ آں حضرتؐ دنیا میں سانس لینے سے پیشتر یتیم ہو چکے تھے۔ (والد کا انتقال ہو چکا تھا) گویا پہلے ہی دن دردِ یتیمی کو ساتھ لائے تھے۔ کچھ دن بعد عرب کے دستور کے مطابق آپ کو حلیمہ سعدیہ کے سپرد کر دیا گیا، جنھوں نے آپ کو نہایت محبّت اور شفقت کے ساتھ پرورش کیا۔ چار برس کی عمر تک دایہ حلیمہ کے گاؤں میں رہے، پھر

والدہ کے پاس آگئے اور چھے سال کی عمر میں ان کے ساتھ مدینے کا سفر کیا۔ وہاں سے واپس آرہے تھے کہ راستے میں والدہ نے انتقال فرمایا۔ اب دادا (عبدالمطلب) نے آپ کی تربیت کا ذمہ لیا۔ آٹھ برس کو پہنچے تھے کہ دادا بھی رخصت ہو گئے۔ دادا کے انتقال کے بعد چچا (ابوطالب) نے آپ کی تربیت کا بیڑا اٹھایا۔ بچپن میں آپ کی حرکات و سکنات نہایت دل فریب اور سلیقہ مندانہ تھیں اور بچّوں کی طرح خاک اور دھول میں کھیلنے، لوٹنے، رونے دھونے اور ضد کرنے کی عادتیں آپ کے اندر مطلق نہ تھیں۔

آپ دس بارہ برس کی عمر میں بکریاں چَرانے لگے۔ قریباً چالیس بکریاں حضور کی اپنی تھیں اور کچھ چچا کی تھیں۔ آپؐ کو اس کام سے اس قدر محبّت تھی کہ شہر میں بہت کم جاتے تھے۔ بکریوں کا دودھ گھر پہنچا دیتے تھے اور خود رات دن صحرا کی کُھلی ہوا میں زندگی بسر فرماتے۔ تیرہ چودہ سال کی عمر میں آپ نے ایک تجارتی قافلے کے ساتھ شام کی سرحد تک سفر کیا اور اپنے ملک اور قوم کی قابلِ رحم حالت کو دیکھا۔ اس کے چند سال بعد جنگِ فِجَارْ شروع ہوئی۔ عرب کے لوگ بڑے لڑاکا تھے۔ بات بات میں آپس میں لڑتے جھگڑتے رہتے تھے۔ ہمارے پیغمبر بھی کئی مرتبہ میدانِ جنگ میں تشریف لے گئے اور بے گناہوں کے خون کی نہریں بہتی دیکھیں۔ اس خون خرابے کا آپ کے معصوم اور رحیم دل پر بہت اثر ہوا اور آپ اس معاہدۂ امن میں جو "حِلفُ الفُضُول" (فضل والوں کا قول وقرار) کے نام سے مشہور ہے، شامل ہو گئے اور دوسرے ممبروں کی طرح امنِ عامّہ کی حفاظت، مسافروں اور مظلوموں کی حمایت اور غریبوں کی امداد کا حلف اُٹھایا۔

قریش کے شریفوں کا سب سے باعزّت پیشہ سوداگری اور تجارت تھا۔ جب آپؐ جوان ہوئے تو تجارت کا ارادہ فرمایا۔ اس وقت آپ کے پاس کوئی سرمایہ موجود نہ تھا، لیکن آپ کی نیکی، سچائی اور اچھے برتاؤ کی شہرت تھی اس لیے اس پیشے میں کام یابی کی راہ آپ کے لیے بہت جلد کُھل گئی۔ حق تو یہ ہے کہ خدمتِ خلق اور پاک بازی کی جو مقدّس دولت آپ نے پائی تھی اس کا سب سرمایہ داروں پر اثر تھا۔ عرب میں تجارت کا ایک قاعدہ یہ تھا کہ امیر لوگ جن کے پاس دولت ہوتی تھی، وہ رُپیہ دیتے تھے اور دوسرے محنتی لوگ، جن کو تجارت کا سلیقہ ہوتا تھا اس رُپے کو لے کر تجارت میں لگاتے تھے۔ مکّہ کی سب سے مال دار خاتون خدیجہ نے آپ کو پیغام بھیجا کہ آپ میرے مال سے تجارت فرمائیں تو میں معمول سے بہت زیادہ یعنی دُگنا منافع دینے

کو تیار ہوں۔ آپ نے اس دعوت کو قبول فرمایا اور تجارت شروع کر دی۔ آپؐ نے تجارت کے سلسلے میں شام، یمن، بصرہ کے سفر کیے اور ہر قدم پر حق و عدل اور عزت و امانت کا نام روشن کیا۔ آپ کی تجارت کے ایک ساتھی (عبداللہ) بیان کرتے ہیں کہ میں نے لین دین کے سلسلے میں آپ کو ایک جگہ ٹھیرا کر کہا کہ میں ابھی واپس آتا ہوں۔ عبداللہ وہاں سے نکل کر دوسرے کاموں میں مصروف ہو گئے اور جب تیسرے دن وہاں سے گزرے تو یہ دیکھ کر بالکل حیرت زدہ رہ گئے کہ حضورؐ اسی جگہ پر کھڑے ان کا انتظار فرما رہے ہیں۔ آپ تین دن کے انتظار کی تکلیف کا اندازہ فرمائیں، لیکن حلیم اور بلند اخلاق محمدؐ نے عبداللہ کو دیکھ کر صرف اتنا کہا "عبداللہ تُو نے مجھے تکلیف دی۔ میں اس مقام پر تین دن سے موجود ہوں۔"

حضرت خدیجہ ملک میں "طاہرہ" کے نام سے مشہور تھیں۔ بڑے سرداروں نے ان سے درخواستِ نکاح کی تھی، مگر وہ منظور نہ کرتی تھیں۔ مال دار اس قدر تھیں کہ تجارتی قافلے میں صرف اِن کا سامان تمام قریش کے سامان کے برابر ہوتا تھا۔ آں حضرتؐ کی خوبیاں، اوصاف اور آپ کی سچائی، دیانت داری اور سلیقہ شعاری دیکھ کر حضرت طاہرہ کے دل پر یہ اثر ہوا کہ انھوں نے خود حضورؐ سے نکاح کی درخواست کی۔

اس وقت حضورؐ کی عمر پچیس سال کی تھی۔ حضرت خدیجہ ۴۰ سال کی بیوہ اور چند بچّوں کی ماں تھیں، پھر بھی آپؐ نے خوشی سے اس پیغام کو قبول کر لیا اور چند روز کے بعد نہایت سادگی اور بے تکلّفی کے ساتھ یہ تقریب انجام پا گئی۔

نکاح کے ۱۵ سال بعد حضورؐ کو نبوّت ملی۔ جب حضورؐ نے نبوّت کا دعوا فرمایا تو وہ خاتون جس کے ساتھ ایک خاوند کی حیثیت سے آپ نے ۱۵ سال گزارے تھے سب سے پہلے آپؐ کی نبوّت پر ایمان لائیں۔ یہ حضورؐ کی صداقت کی ایک مثال ہے۔ خدیجہ جیسی مال دار اور فدا کار بیوی کی موجودگی کے باوجود حضورؐ اپنے ذاتی اخراجات ہمیشہ اپنی ذاتی آمدنی سے ادا فرمایا کرتے تھے۔ یہ خودداری کی ایک مثال ہے۔ تجارت کا کام اسی طرح چلتا رہا اور آپؐ عرب کے مختلف شہروں میں آتے جاتے رہے اور آپؐ کی نیکی، سچائی اور اچھے اخلاق کا ہر طرف چرچا تھا۔ اِن دِنوں میں لوگوں کے دِلوں پر آں حضرت کی نیکی اور بزرگی کا اتنا اثر تھا کہ وہ آں حضرت کو نام لے کر نہیں بُلاتے تھے، بلکہ صادق یا امین کہہ کر پکارتے تھے۔

انھی دنوں ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس سے عرب کی ایک بڑی لڑائی ہمارے رسولؐ کی تدبیر سے رُک گئی اور آپ کی عظمتِ شان سب لوگوں پر ظاہر ہو گئی۔ قریش کے سب قبیلوں نے مل کر کعبہ کی تعمیر شروع کی تھی۔ کعبہ کی پرانی دیوار میں ایک کالا پتھر لگا تھا، جس کو "حجرِ اَسوَد" کہتے ہیں، یہ پتھر عرب کے لوگوں میں بڑا متبرک سمجھا جاتا تھا اور اسلام میں بھی اس کو بڑا متبرک مانا جاتا ہے۔ جب حجرِ اسود رکھنے کا وقت آیا تو ہر ایک سردار نے اس تاریخی اور متبرک پتھر کو اپنے ہاتھ سے نصب کرنے پر اصرار کیا۔ اس پر جھگڑا ہوا اور تلواریں کھنچ گئیں۔

آخر پانچویں دن ایک بزرگ کے مشورے سے یہ طے ہوا کہ کل صبح سویرے جو شخص سب سے پہلے کعبہ میں آئے وہی اپنی رائے سے اس جھگڑے کا فیصلہ کر دے اور اس کا فیصلہ سب لوگ دل سے مان لیں۔ سب لوگ اس پر راضی ہو گئے۔ اتفاق سے صبح سویرے جو سب سے پہلے پہنچا وہ ہمارے رسولؐ تھے۔ آپ کو دیکھ کر سب خوش ہوئے اور ہر طرف سے "ھٰذ الامین رضیناہ" (امین آگیا، ہم سب اس کے فیصلے پر رضامند ہیں۔) آپؐ نے تمام واقعات سُن کر اپنی چادر بچھائی اور اپنے ہاتھ سے اس کے بیچ میں حجرِ اسود رکھ دیا۔ پھر تمام قبیلے کے سرداروں سے فرمایا کہ سب مل کر چاروں طرف سے چادر کو تھام لیں۔ اسی طرح اس پتھر کو وہاں تک لائے جہاں قائم کرنا تھا۔ یہاں پہنچ کر آپ نے پھر حجرِ اسود کو اپنے مبارک ہاتھوں سے اُٹھایا اور اس کی جگہ پر لگا دیا۔

آں حضرتؐ نے اس تدبیر سے ایک جنگ کا انسداد کر دیا ورنہ اس وقت کے عرب لوگوں میں ریوڑ کے پانی پلانے، گھوڑوں کے دوڑانے اور اشعار میں ایک قوم سے دوسری قوم کو اچھا بتانے جیسی ذرا ذرا سی باتوں پر ایسی جنگ ہوتی تھی کہ بیسیوں برس تک ختم ہونے میں نہ آتی تھی۔

زمانۂ نبوت کے قریب حضورؐ کا زیادہ وقت آبادی سے باہر خاص طور پر غارِ حرا میں بسر ہوتا تھا۔ آپؐ گھر سے ستّوؤں کی تھیلی اور پانی کا مشکیزہ لے کر نکل جاتے اور کئی کئی روز اللہ کی عبادت میں معروف رہتے۔ اسی حال میں اگر کوئی مسافر نظر آجاتا تو پانی اور ستّو سے اس کی تواضع فرماتے۔ کوئی حاجت مند ہوتا تو امداد فرماتے اور سواری کا ضرورت مند ہوتا تو گھر سے اس کا انتظام فرما دیتے۔

اسی عالم میں حضورؐ کی عمر کے ۴۰ سال پورے ہو گئے۔ دو شنبہ کا روز تھا۔ ۱۲ فروری ۶۱۰ء اور ربیع الاوّل کی نویں تاریخ تھی کہ آپ کو اوپر سے ایک دھما کا سنائی دیا اور ایسا معلوم ہوا کہ آسمان سے ایک نورانی تخت نیچے اُتر رہا ہے۔ حضورؐ کے دیکھتے دیکھتے یہ تخت قریب آگیا اور ایک نورانی تصویر نے تخت سے اُتر کر آپؐ کو گلے لگایا اور کہا، "محمدؐ بشارت قبول فرمائیے۔ آپؐ اللہ کے رسولؐ ہیں اور میں جبریل ہوں۔" آپؐ خوف زدہ حالت میں گھر تشریف لائے اور حضرت خدیجہ سے جو پندرہ سال سے حضورؐ کی بیوی تھیں، اس واقعے کا ذکر فرمایا۔ انھوں نے سنتے ہی اس واقعے کی سچائی کو مان لیا۔ اسی طرح جب یہ خبر ان لوگوں کو پہنچی جو حضورؐ کے رہنے سہنے سے زیادہ واقف تھے تو وہ بلا تامّل دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔

حضورؐ نے تین سال تک خاموشی سے لوگوں کو اسلام کی دعوت دی۔ اس کے بعد تبلیغِ عام کا حکم ہوا۔ اس حکم کے ذریعہ سے آپ پر فرض ہو گیا کہ آپ خدا پر بھروسہ کر کے کھڑے ہو جائیں اور لوگوں کو خدا کی باتیں سنائیں۔ رب کی بڑائی بیان کریں اور ناپاکی اور گندگی کی باتوں سے بچیں اور بچائیں۔

حضورؐ حرم کعبہ میں تشریف لے گئے اور توحیدِ الٰہی کا اعلان فرمایا۔ عرب کے لوگ پرلے درجے کے جاہل، نادان اور خدا کے دین سے بے خبر ہو گئے تھے اور شرک و کفر میں ایسے پھنسے ہوئے تھے کہ ان کی برائی وہ سن بھی نہیں سکتے تھے۔ کفّار کے نزدیک آپ کا اعلانِ حق حرم کعبہ کی سب سے بڑی توہین تھی۔ لوگ چاروں طرف سے حضورؐ پر ٹوٹ پڑے۔ حارث بن ابی ہالہ نے آپ کو بچانا چاہا تو اٹھی ہوئی تلواریں انھیں پر برس پڑیں اور آن کی آن میں شہید ہو گئے۔ یہ پہلا خون تھا جو اسلام کی راہ میں زمین پر بہا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز اپنے سب رشتے داروں کو کھانے پر جمع کیا اور کھانے سے فارغ ہو کر فرمایا، "اے حاضرین، میں تم سب کے لیے دنیا و آخرت کی بھلائی لے کر آیا ہوں اور میں نہیں جانتا کہ عرب بھر میں کوئی شخص بھی اپنی قوم کے لیے اس سے بہتر کوئی چیز لایا ہو، مجھے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ میں لوگوں کو اس کی دعوت دوں۔ بتاؤ تم میں سے کون میرا ساتھ دے گا"؟ یہ سن کر سب کے سب چپ رہ گئے۔ حضرت علیؓ نے اُٹھ کر کہا، "یا رسول اللہ میں حاضر ہوں۔"

ایک روز حضورؐ نے مکّہ کی ایک پہاڑی صفا پر چڑھ کر لوگوں کو پکارنا شروع کیا۔ جب سب جمع ہو گئے تو آپ نے فرمایا، "تم مجھے بتاؤ کہ تم مجھے سچا سمجھتے ہو یا جھوٹا۔" سب نے ایک آواز سے کہا، "ہم نے کوئی غلط یا بے ہودہ بات تمھارے منھ سے نہیں سُنی۔ ہم کو یقین ہے کہ تم صادق اور امین ہو۔"

تب آپ نے فرمایا، "دیکھو میں پہاڑ کی چوٹی پر کھڑا ہوں اور تم اس کے نیچے ہو۔ میں پہاڑ کے اِدھر بھی دیکھ رہا ہوں اور اُدھر بھی نظر کر رہا ہوں۔ اچھا اگر میں یہ کہوں کہ تمھارے دشمنوں کا ایک مسلّح لشکر دُور سے نظر آرہا ہے جو مکّہ پر حملہ آور ہو گا۔ کیا تم یقین کر لو گے؟"

لوگوں نے کہا، "بے شک، کیوں کہ ہمارے پاس تم جیسے سچّے آدمی کے جُھٹلانے کی کوئی وجہ نہیں۔"

حضورؐ نے فرمایا، "تو میں یہ کہتا ہوں کہ اگر تم نے خدا کے پیغام کو نہ مانا تو تمھاری قوم پر ایک بہت بڑی آفت آئے گی۔"

یہ سُن کر ابولہب نے کہا، "کیا تم نے یہی سُنانے کے لیے ہم کو یہاں جمع کیا تھا۔" یہ کہہ کر وہ اُٹھا اور چلا گیا۔ قریش کے دوسرے سردار بھی خفا ہو کر چلے گئے۔ اس کے بعد ہر طرف غُل مچ گیا۔ حضورؐ ہر ایک مجلس اور ہر ایک میلے میں جاتے، بازاروں میں، گلی کوچوں میں، گھروں میں، غرض جہاں بھی دو چار آدمی جمع دیکھتے انھیں توحید کی دعوت دیتے۔ بتوں، پتھّروں، درختوں کی پوجا سے روکتے۔ بیٹیوں کے مار ڈالنے سے ہٹاتے، زنا سے منع کرتے، جُوا کھیلنے اور شراب پینے سے روکتے اور قتل و خونریزی سے لوگوں کو منع فرماتے تھے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ لوگ اپنے جسم کو گندگی سے، کپڑوں کو میل کچیل سے، زبان کو گندی باتوں سے، دل کو جھوٹے اعتقادوں سے پاک و صاف رکھیں۔ وعدہ اور اقرار کی سخت پابندی کریں۔ لین دین میں کسی سے دغا نہ کریں۔ خدا کی ذات کو نقص سے، عیب سے، آلودگی سے پاک سمجھیں۔ اس بات پر پختہ یقین رکھیں کہ زمین، آسمان، چاند، سورج، چھوٹے بڑے سب کے سب خدا کے پیدا کیے ہوئے ہیں۔ سب اسی کے محتاج ہیں۔ دعا کا قبول کرنا، بیمار کو صحّت و تن درستی دینا، مرادیں پوری کرنا اللہ کے اختیار میں ہے۔ اللہ کی مرضی اور حکم کے بغیر کوئی بھی کچھ نہیں کر سکتا۔ فرشتے اور نبی بھی اس کے حکم کے خلاف کچھ نہیں کرتے۔"

ہمارے حضورؐ کا طریقہ

★ میری اصل پونجی : معرفت (اپنے بندہ ہونے اور اللہ تعالیٰ کے مالک ہونے کی شناخت) ہے۔
★ میرے دین کی جڑ : عقل (فطرتِ انسانی) ہے۔
★ میری بنیاد : محبّت ہے۔
★ میری سواری : شوق ہے۔
★ میرا انیس : اللہ کا ذکر ہے۔
★ میرا خزانہ : خدا پر اعتماد ہے۔
★ میرا رفیق : دِل کا غم (جو اُمّت کی بہتری اور بہبود کے لیے دل ہی دل میں موجزن رہتا ہے) ہے۔
★ میرا ہتھیار : عِلم ہے۔
★ میرا شان دار لباس : صبر ہے۔
★ میرا مالِ غنیمت : رضائے الٰہی ہے۔
★ میرا فخر : عجز (اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں انکساری) ہے۔
★ میرا پیشہ : زُہد (دنیا اور دنیا کے مال و مَتاع سے بے رغبتی) ہے۔
★ میری خوراک : یقین ہے۔
★ میرا ساتھی : صِدق ہے۔
★ میرا بچاؤ : اطاعتِ الٰہی ہے۔
★ میری خَصلت : جِہاد (تمام کوشش، محنت، طاقت اور توجہ کو کسی کام میں لگا دینا) ہے۔
★ میری آنکھوں کی ٹھنڈک : نماز ہے۔

★ حضرت جنید بغدادیؒ

محبت اُن سے رکھو جو نیکی کر کے فراموش کر دیتے ہیں۔

★ حکیم بو علی سینا

دل اگر سیاہ ہو تو چمکتی ہوئی آنکھ بھی کچھ نہیں کر سکتی۔

★ جبران خلیل جبران

اس خوشی سے دُور رہو جو غم کا کانٹا بن کر دکھ دے۔

مرسلہ: سعدیہ ارم، کراچی

★ فارابی

جب تک انسان علم حاصل کرتا رہے وہ عالم رہتا ہے اور جب اُسے یہ خیال آجائے کہ اب میں علم سیکھ چکا ہوں تو وہ جاہل بن جاتا ہے۔

مرسلہ: راجاجہاں زیب خان، شاہ پور چاکر

★ علامہ اقبال

اچھی کتابیں بہترین دوست ہیں مرسلہ: کلثوم، کراچی

★ ایڈیسن

کام سے غلطی، غلطی سے تجربہ، تجربے سے عقل، عقل سے خیال اور خیال سے نئی چیزیں وجود میں آتی ہیں۔

★ بطلیموس

مال دار بننا چاہتے ہو تو اپنی ضرورت کو کم کرو۔ مرسلہ: نزہل نور، کراچی

★ برنارڈ شا

خاموش اور کم گو آدمی کا ہر جگہ اور ہر وقت استقبال ہوتا ہے۔

مرسلہ: ساجدہ حفیظ، حیدر آباد

★ ہنری فورڈ

بوڑھا آدمی وہ ہے جو علم حاصل کرنا بند کر دے چاہے اُس کی عمر ۲۰ برس ہو یا ۸۰ برس۔

مرسلہ: جہانگیر مرزا، کراچی

★ حکیم محمد سعید

علم ایک ایسا سمندر ہے جس میں چھلانگ لگانے کے بعد ہی اس کی وسعت و عظمت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

مرسلہ: غلام مرتضیٰ رحیم ابڑو، سید طارق رحیم شاہ، بلوچستان

★ نامعلوم

کسی کو مصیبت میں دیکھو تو عبرت حاصل کرو۔

مرسلہ: شبانہ، کراچی

★ نامعلوم

عزت چاہتے ہو تو پہلے سلام کرنے کی عادت ڈالو۔

مرسلہ: حمیرا، کراچی

متعصب شخص کے چہرے کی رونق اور نور ختم ہو جاتا ہے۔

مرسلہ: ناہید، حمیدہ، ممتاز، کراچی

ذرا پڑھیے تو

شان الحق حقی

یہ شعر جو اوپر چھپا ہوا ہے، راقم الحروف حقّی نے آپ کی دل چسپی کے لیے کہا اور دو پنسلیں جوڑ کر بڑے کاغذ پر اپنے ہاتھ سے لکھا۔ آپ بھی موٹے قلم سے یا دو پنسلیں جوڑ کر بڑے حروف لکھنے کی کوشش کر سکتے ہیں۔ خوشخطی کی مشق کرنے میں بڑا مزہ آتا ہے۔ شرط یہ ہے کہ جوڑ اور شوشے درست اور قاعدے کے مطابق ہوں۔

نستعلیق خط جس میں یہ عبارت چھپی ہے۔ بڑا خوب صورت لگتا ہے، مگر اس کے جوڑ اور شوشے خاصے مشکل ہیں۔ کون سا جوڑ اور کس قسم کا شوشہ کہاں لگے گا یہ بات خوشنویس صاحبان ہی جانتے ہیں۔ عام طور پر لوگ نہیں جانتے۔ بس اتنا بتا سکتے ہیں کہ کون سا خط اچھا لگتا ہے اور کون سا نہیں لگتا۔ آپ اس شعر کے الفاظ کو غور سے دیکھیں کہ کہاں پورا قلم لگا ہے، کہاں آدھا، کہاں پتلا اور کہاں صرف نوک۔

اس شعر کے پہلے مصرعے میں سب حرف ملے ہوئے ہیں۔ تمام الفاظ اس طرح ملا کر نہیں لکھے جا سکتے۔ مثلاً لفظ "اور" کو ہم اِس طرح لکھ سکتے ہیں کہ الف واو اور رے الگ الگ رہیں۔ دوسرے مصرعے میں ایسے الفاظ آتے ہیں جو الگ الگ ہی لکھے جا سکتے ہیں۔

رام رس کے معنی شہد یا پھلوں کا رس جسے عربی میں عسل کہتے ہیں (رس پر زبر) انگریزی میں نیکٹر (NECTAR) ۔ یہ اصل میں یونانی لفظ ہے جہاں اس کے اصلی معنی ہیں دیوتاؤں کے پینے کا شربت۔ انگریزی زبان نے یونانی اور لاطینی زبانوں سے دل کھول کر لفظ لیے ہیں اور بہت سی دوسری زبانوں سے بھی۔ اردو کے بھی بہت سے لفظ انگریزی میں شامل ہیں، جیسے آیا (بچوں کی کھلائی) مالی، سائیس، سپاہی (SEPOY) ، نالہ (NULLAH) ، قلمی، پاجامہ، شال، کھاٹ (COT) وغیرہ۔ ہر زبان جب کسی دوسری زبان کا لفظ اپناتی ہے تو اسے اپنے لہجے کے مطابق ڈھال لیتی ہے۔ جیسے ہم نے انگریزی کے لفظ لینٹرن کو لالٹین اور ہاسپٹل کو ہسپتال بنالیا۔

پہلے مصرع کے الفاظ کو الگ الگ یوں لکھیں گے:

نیلی پیلی چھیل چھبیلی چنچل تتلی بَن میں کھیلے

ماموں جان کا دانت

سید ابو تمیم، فرید آبادی مرحوم

ان کی عمر تو کچھ زیادہ نہیں تھی۔ یہی ساٹھ باسٹھ کے ہوں گے اور مثل مشہور ہے، ساٹھا پاٹھا۔ وہ خوب صحت مند اور چونچال بھی ہیں۔ مگر بے چارے کے دانت سب چوہے کے بل میں پہنچ گئے تھے۔

ہاں یہ کچھ عجیب سی بات ہے۔ جب دانتوں نے ان کے منھ سے ہجرت کر کے چوہے کے بل میں سکونت اختیار کر لی تو ان کو چوکا بنوانا پڑا۔ وہ کہتے ہیں کہ بہت بڑھیا دندان ساز نے یہ چوکا بنایا ہے۔ دوسرے گاہکوں سے وہ ایسے چوکے کے تین سو روپے لیتا ہے، ان کا دوست تھا، تیس روپے میں بنا دیے۔

جب دانت کا چوکا نیا نیا منھ میں فٹ کیا جاتا ہے تو منھ والے پر کیا بیتتی ہے؟ اس
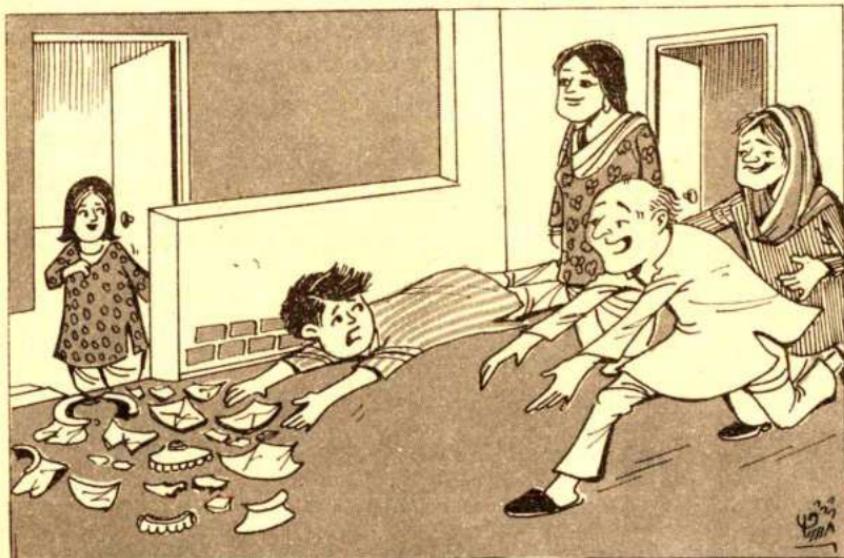
کا حال تو وہ جانے یا اس کا خدا، ہاں دوسرے دیکھنے والے یہ دیکھتے ہیں کہ منھ والے کا منھ کچھ جوان جوان سا ہو گیا۔ جھرّیاں غائب غلّہ، کلّے کے گڑھے اُبھرے اُبھرے، اور سب سے عجیب بلکہ نرالی بات یہ نظر آتی ہے کہ منھ والے کے دانت سفید جھاگ، جیسے چودھویں رات یا تو پیلے، اودے، سبز، زردی مائل کا مجموعہ تھے، یا اب گویا سیاہ دیواروں پر قلعی پھر گئی ہے۔ پہلے پھپھوندی جھلکتی تھی اب چاندی کا پانی بھرا ہوا نظر آتا ہے۔ عجب تیری قدرت عجب تیرے کھیل۔

دوسری بات یہ ہوتی ہے کہ نئے چوکے والا کبھی ہونٹ سیکڑتا ہے، کبھی پھیلاتا ہے، کبھی دونوں ہونٹ کواڑوں کی طرح بالکل برابر کر کے بند کرتا ہے، کبھی دانت پیسنے کی طرز میں منھ بناتا ہے۔ غرض ہونٹوں اور منھ سے سب کچھ یا بہت کچھ کرتا ہے۔ نہیں کرتا تو یہ کہ آرام سے ہونٹ بند نہیں رکھتا۔

تیسری بات ان دوسے نرالی یہ ہوتی ہے کہ وہ چوکا دھونے کے بعد رکھتا کہیں ہے اور ضرورت پڑنے پر اسے ڈھونڈتا کہیں اور ہے۔

ماموں جان کے ساتھ یہ سب کچھ ہوا۔ ہفتے میں دو دفعہ ان کے دانت کھو جاتے اور ہفتے میں تین دفعہ مل جاتے۔ تین دفعہ اس طرح کہ چوکا ٹوٹا ہوا منھ کے اندر ہی، مگر ان کو شبہ یہ ہوتا کہ کہیں رکھ کر بھول گئے ہیں۔ بڑی ڈھونڈیا مچتی غسل خانے کی ہر چیز اُلٹ پلٹ کر دیکھتے۔ لکھنے کی میز کی ساری درازیں نکال کر زمین پر الٹ دیتے۔ کپڑوں کی الماری کا ایک ایک خانہ اور خانے کا ایک ایک کپڑا جھاڑ کر رکھ دیتے۔

پر اس دفعہ دانت ایسے کھوئے کہ ملے ہی نہیں۔ دو دن، تین دن ..... سات دن گزر گئے۔ گھر کا کوئی کونا نہیں بچا جہاں چوکا تلاش نہ کیا گیا ہو۔ ان کا بس چلتا تو گھر کی دیواریں توڑ کر یا چھت اُکھیڑ کر چوکا تلاش کرتے، مگر کرائے کے مکان میں اصل مشکل بلکہ تکلیف یہی ہوتی ہے کہ کرائے دار نہ اس کی دیوار توڑ سکتا ہے نہ چھت اکھڑوا سکتا ہے ..... ہاں، مجبوری ...

کرائے دار پر مجھے اس وقت ایک قاضی نامی کرائے دار یاد آ گئے۔ ان کا بھی چوکا ایک دن سالم کھویا رہا۔ دوسرے دن وہ اخبار میں " تلاشِ گم شدہ " کا اشتہار دے رہے تھے کہ خیال آیا کہ مہترانی سے کام لیا جائے۔ ان کو کچھ ایسا شبہ ہوا کہ کل صبح میں قدمچے پر بیٹھا ہوا تھا،

بہت زور کی چھینک آئی تھی، شاید چھینک کے بلغم کے ساتھ چچو کا بھی قدمچے میں گر پڑا ہو گا۔" ان کی مہترانی نے قدمچہ چھوڑ گھر کی ساری نالیوں بلکہ پڑوسیوں کی نالیوں تک میں بانس ڈال کر دیکھے۔ اونہہ، کس کا چچو کا، کہاں کا چچو کا۔

خیر وہ ایک دیگچی کے اندر ملا۔ ہوا یہ تھا کہ صبح منھ ہاتھ دھوتے وقت انھوں نے چچو کا ایک کھڑکی کی دہلیز پر رکھا، اٹھانا بھول گئے اور دوسرے کاموں میں لگ گئے۔ ان کی ایک لڑکی نے چچو کا حفاظت کی خاطر ایک دیگچی میں رکھ دیا۔ دوسری لڑکی نے صبح کا کھانا پکانے کے لیے دیگچی کو اندر سے دیکھے بغیر اس کے اندر دال ڈالی، پانی ڈالا اور چولھے پر دیگچی رکھ دی۔ ہنڈیا پکتی رہی کھدر کھدر۔

آٹھویں دن ماموں جان کی بھانجی اور ان کے ساتھ ان کے دو آفت کے پَر کالے بچّے مہمان آئے۔ یہ مہمان کوئی سال بھر بعد آئے تھے۔ ماموں جان نے، ان لڑکوں نے، ممانی جان نے، سب نے خوشی کا اظہار کیا۔ ماموں جان چند منٹ تک خوش رہے، پھر اپنے دانتوں کو نہ پا کر منھ بسورنے لگے۔ یہ بات بالکل حق بہ جانب تھی۔ آٹھ دن سے روٹی کھانی مشکل ہو رہی تھی اور آج بھانجی کی خاطر میں ممانی نے دسترخوان کے لیے کئی لذیذ کھانوں کا سامان شروع کر دیا تھا۔ ٹوٹی مرچوں کا قورمہ ماموں جان کو دل و جان سے پیارا ہے۔ وہی پکنے والا ہے۔ ہائے اللہ اب کیا ہو؟ صبر۔

ماموں، ممانی اور بھانجی ایک کمرے میں باتوں میں مصروف ہو گئے۔ بھانجی کے لڑکے نے اپنی چھوٹی بہن سے کہا، "آؤ کوکو، نانا جان کا گھر دیکھیں۔" بھائی نے کہا، "کوکو، تم پاگل ہو۔ کہیں بوڑھے لوگ گڑیاں کھیلتے ہیں۔" کوکو نے ساری بات نہیں سنی۔ "تم پاگل ہو" سنتے ہی بھائی کے منھ پر تھوکا اور بھاگی۔ بھائی پیچھے دوڑا۔ اب چوہے بلّی کی دوڑ شروع ہوئی۔ اس گھر میں کئی کمرے ہیں، اس لیے کہ تین منزلہ ہے۔ پہلی اور دوسری منزل تک بھائی جان کوکو کو نہ پکڑ سکے۔ تیسری منزل کے بعد آسمان تھا۔ کوکو پکڑی گئی۔ فری اسٹائل کشتی سب بچّے جانتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ کشتی کی یہ قسم کسی سیانے نے دیوانے بچّوں کی کشتی دیکھ کر ہی ایجاد کی ہے۔

تیسری منزل کی جب دری، چاندنی، سکڑ سکڑا کر رہ گئی تو کوکو نے سوچا کہ کسی نئے اکھاڑے میں اُترنا چاہیے۔ کہنے لگی، "بھئی اب میں تھک گئی۔"

بھائی نے کہا،"توبہ کرو، اب نہ تھوکنا۔"

کوکو نے وعدہ کر لیا۔ بیچ کی منزل میں دونوں پہنچے۔ یہیں ایک کمرے میں ماموں، ممانی اور بھانجی بیٹھی تھیں۔ دوسرا کمرا "اظہر کا کمرا" تھا۔ بہت سجا سجایا، الماریاں، تصویریں، سوفا، قالین وغیرہ۔

کوکو نے اس کمرے میں جھانک کر کہا،"آہا جی تو ڈھیر ساری تصویریں ہیں۔ آؤ منّو بھائی، تصویریں دیکھیں۔" تصویریں دیکھتے دیکھتے دونوں میں فساد ہو گیا۔ کوکو کہتی تھی،"یہ چھوٹے بچّے والی تصویر اُتار دو۔"

منّو کہتے تھے،"میرا ہاتھ وہاں تک نہیں جا سکتا۔" کوکو نے زور لگا کر ایک کرسی وہاں تک گھسیٹی، "لو، اب تو ہاتھ چلا جائے گا۔"

منّو بھائی نے اب یہ عذر کیا کہ "تصویر جس سُتلی سے بندھی ہوئی ہے وہ بہت موٹی ہے۔" اس پر فساد ہوا۔ کوکو نے منّو کو دھکا دیا۔ منو نے گرنے سے بچنے کو "کارنس" کا سہارا لیا۔ نہیں گرے۔ کوکو کی اسکیم فیل ہو رہی تھی۔ کوکو نے کرسی گرانی چاہی۔ منّو نے ایک لات ماری، جو مناسب بات تھی، مگر لات کوکو کے لگنے کے بجائے کرسی کی کمر پر لگی، یعنی منّو کے پاؤں میں چوٹ آئی۔ وہ لڑکھڑائے۔ کارنس پر ریشمی کپڑا بچھا ہوا تھا۔ منو نے اس کا سہارا لیا۔ کوکو نے دوسرا دھکا دیا۔ منو کے ساتھ ساتھ کارنس پر رکھا ہوا چینی کا مرتبان گرا۔ زور سے چھن کی آواز پر ماموں، ممانی اور بھانجی دوڑے دوڑے پہنچے۔ مرتبان تو دس بارہ رُپے کا ہو گا، مگر ماموں جان نے دیکھا اس کے ٹکڑوں کے پاس ان کا چچا کا دانت نکوس رہا ہے۔ ماموں جان بہت خوش ہوئے۔ ممانی نے کہا، "ہائے ہائے میری یاد پر پتھر پڑ گئے۔ پچھلی اتوار کو میں نے ہی احتیاط کے مارے یہ دانت اس مرتبان میں رکھے تھے۔"

ماموں جان بولے،"اجی تم قورمہ پکاؤ۔"

* دنیا میں سب سے زیادہ بال پنچ کرنے کا ریکارڈ آئر لینڈ کے پیٹ میک انٹی گریٹ (PAT MCENTEGGART) نے قائم کیا۔ وہ ۲۷۔ فروری ۱۹۸۱ء سے ۵۔ مارچ ۱۹۸۱ء تک باکسنگ کی مشق کے لیے لٹکے ہوئے بال کو ۱۴۶ گھنٹے ۲۰ منٹ تک مسلسل مُکّے سے مارتا رہا۔

ساتواں ایشیائی ٹیبل ٹینس چیمپئن شپ

عارف خاں نے چین، جاپان کے کھلاڑیوں کو ہرا کر کمال کر دیا

ساجد علی ساجد

ساتویں ایشیائی ٹیبل ٹینس چیمپین شپ میں، جیسا کہ توقع کی جا رہی تھی تقریباً ساری کام یابیاں چینی کھلاڑیوں کے حصّے میں آئیں جنھوں نے ٹیم ایونیٹس (TEAM EVENTS) بھی جیتے اور انفرادی مقابلے بھی۔ پاکستان کی طرف سے سب سے نمایاں کام یابی عارف خاں نے حاصل کی۔ وہ جاپان کے کھلاڑی کو ہرا کر کوارٹر فائنل میں پہنچے۔ عارف اس مقام تک پہنچنے والے پاکستان کے پہلے کھلاڑی ہیں۔
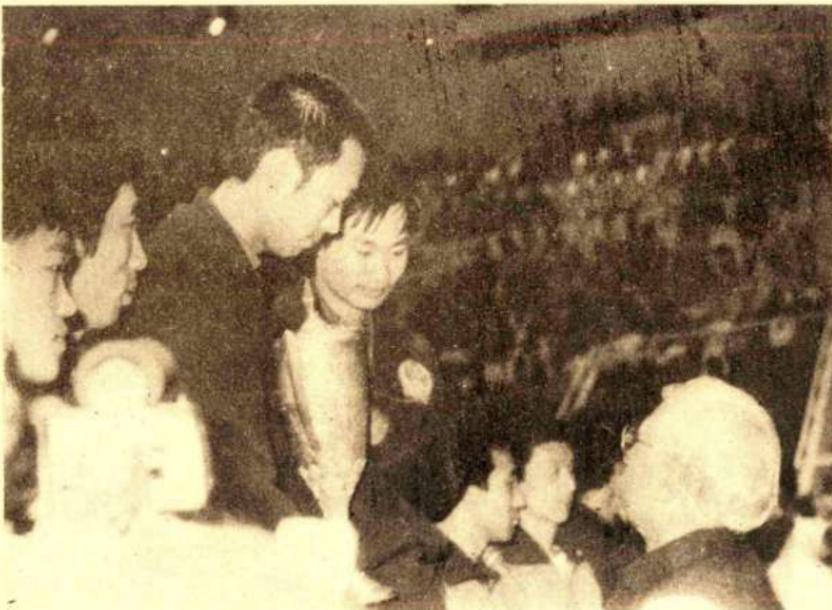
جناب نیاز محمد ارباب وفاقی وزیر کھیل اور ثقافت سے چین کے فاتح کھلاڑی ٹرافی حاصل کر رہے ہیں۔

بیس اکتوبر ۱۹۸۴ء کو صدرِ مملکت جنرل محمد ضیاء الحق نے اسلام آباد کے جناح اسپورٹس کمپلیکس میں تعمیر ہونے والے لیاقت جمنازیم کا افتتاح بھی کیا اور اُس دن وہاں شروع ہونے والی ساتویں ایشیائی ٹیبل ٹینس چیمپین شپ کے افتتاح کی رسم بھی انجام دی۔ یہ جمنازیم پاکستان اور چین کے اشتراک اور تعاون سے تعمیر ہوا ہے۔ افتتاح کے موقع پر اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہوئے صدر پاکستان نے کہا کہ پاکستان اور چین کے درمیان دوستی اس قدر گہری اور وسیع ہے کہ اس کے اظہار کے لیے الفاظ نہیں ہیں۔ انھوں نے اس موقع پر یہ بھی کہا کہ جب دو ملکوں کے درمیان محبّت اور پیار، دوستی اور یگانگت کے رشتے اتنے مضبوط ہو جائیں کہ وہ پہاڑوں کے سینے چیر کر مشترکہ راہیں نکال لیں تو ایسی دوستی لازوال ہو جاتی ہے۔

ایشیائی ٹیبل ٹینس چیمپین شپ دو مرحلوں میں کھیلی گئی۔ پہلے مرحلے میں تمام کھلاڑی ٹیم کی صورت میں ایک دوسرے کے مقابلے پر اُترے، جو ٹیم ایونٹس کہلائے۔ پھر ان ہی کھلاڑیوں کے درمیان انفرادی مقابلے ہوئے۔ دونوں مقابلوں میں چینی کھلاڑیوں کا پلّا بھاری رہا۔ کوریا کے کھلاڑی بھی دوسرے نمبر پر رہے۔

میزبان پاکستان کے لیے یہی بات خوشی کا باعث تھی کہ اس کی مردانہ ٹیم چھٹے نمبر پر رہی، جب کہ جکارتا میں ہونے والی پچھلی ایشیائی چیمپین شپ میں پاکستان دسویں نمبر پر رہا تھا۔ البتہ پاکستانی لڑکیاں اچھا کھیل نہ دکھا سکیں اور اس بار گیارھویں نمبر پر رہیں۔ کون سا ملک کون سے نمبر پر رہا۔ ان کی ترتیب یہ ہے :-

مردانہ ٹیم ایونٹس : (۱) چین (۲) شمالی کوریا (۳) جاپان (۴) جنوبی کوریا (۵) بھارت (۶) پاکستان (۷) اوسٹریلیا (۸) انڈونیشیا (۹) ملائشیا (۱۰) تھائی لینڈ (۱۱) ایران (۱۲) یمن (۱۳) سنگاپور (۱۴) سعودی عرب (۱۵) فلپائن (۱۶) سری لنکا (۱۷) نیپال (۱۸) فلسطین۔

زنانہ ٹیم ایونٹس : (۱) چین (۲) شمالی کوریا (۳) جنوبی کوریا (۴) جاپان (۵) سنگاپور (۶) بھارت (۷) انڈونیشیا (۸) اوسٹریلیا (۹) ملائشیا (۱۰) تھائی لینڈ (۱۱) پاکستان (۱۲) فلپائن۔

انفرادی مقابلے

انفرادی مقابلوں میں چینی کھلاڑیوں نے اپنے ساتوں اعزاز کا مسلسل چھٹی مرتبہ بھی کامیابی

سے دفاع کیا۔ چین کی طرف سے لڑکوں میں زائی سائیکے (XIE SAIKE) اور لڑکیوں میں ڈائی لی لی (DAI LILI) چیمپین بنیں۔ ایک کو چھوڑ کر باقی چھے کے چھے فائنل مقابلے چینی کھلاڑیوں کے درمیان آپس میں ہوئے۔

زائی سائیکے نے پہلے ڈائی لی لی کے ساتھ مل کر مکسڈ ڈبلز ٹائٹل جیتا۔ یہ کام یابی دونوں نے مل کر حاصل کی۔ پھر زائی سائیکے لڑکوں میں اور ڈائی لی لی لڑکیوں میں کام یابیوں کی یلغار کرنے نکل کھڑی ہوئیں۔

زائی سائیکے نے اپنے ہم وطن چین لونگ کان (CHEN LONG CAN) کو ہرا کر مینز سنگلز ٹائٹل جیتا۔ پھر انھوں نے تینگ یی (TENG YI) کو پارٹنر بنا کر وانگ ہوئی یان اور چین لونگ کان کو شکست دی۔ مینز ڈبلز ٹائٹل جیتا اور اس طرح اپنی تین شان دار کام یابیاں (ٹرپیل کراؤن) مکمل کر لیں۔

اس دوران زائی سائیکے جو کچھ لڑکوں میں کر رہے تھے وہی کارکردگی ڈائی لی لی لڑکیوں میں دکھا رہی تھیں۔ اس طرح ڈائی لی لی ایشیا میں ٹیبل ٹینس کی ملکہ بن کر اُبھریں۔ انھوں نے اپنی ہم وطن ہی زِلی (HE ZHILLI) کو ہرا کر ویمین سنگلز ٹائٹل جیتا۔ پھر جنگ لی جیان (GENG LI JUAN) کو ساتھ ملایا اور یونگ جا اور کیون می یون (کوریا) کے خلاف لیڈیز ڈبلز ٹائٹل بھی جیت گئیں۔ اس طرح انھوں نے بھی ٹرپیل کراؤن حاصل کیا جو تین کام یابیوں کے بعد ہی ہاتھ آتا ہے۔

زیادہ تر مقابلے چینی کھلاڑیوں نے آپس میں کیے۔ اس اعتبار سے لیڈیز ڈبلز فائنل سب سے سنسنی خیز رہا، جو چین اور کوریا کے کھلاڑیوں کے درمیان کھیلا گیا۔ فائنل والے دن کھیل اور ثقافت کے وفاقی وزیر جناب نیاز محمد ارباب مہمان خصوصی تھے، جنھوں نے کھلاڑیوں میں انعامات تقسیم کیے۔

عارف خاں کا کارنامہ

پاکستان کے نقطۂ نظر میں سب سے نمایاں کارنامہ عارف خاں نے انجام دیا، جو پاکستان کی تاریخ میں کوارٹر فائنل میں پہنچنے والے پہلے کھلاڑی ہیں۔ ان کی سب سے شان دار کام یابی وہ تھی، جو انھوں نے جاپان کے نمبر ایک کھلاڑی سیجی اونو (SEIJI ONO) کے خلاف

حاصل کی۔ اس سے پہلے انھوں نے چین کے پانچویں نمبر کے کھلاڑی ژاؤ ہنگ (ZHOU HUNG) کو شکست دی تھی۔ چین نے کھلاڑی کو ہرا کر عارف خاں ایشیا کے سولہ بہترین کھلاڑیوں کی صف میں شامل ہوئے اور پھر جاپانی کھلاڑی کو ہرا کر وہ ایشیا کے آٹھ بہترین کھلاڑیوں کی فہرست میں آگئے۔ یہ ایک ایسا اعزاز ہے جو آج تک کسی پاکستانی کھلاڑی نے حاصل نہیں کیا تھا۔

بد قسمتی سے عارف خاں کوارٹر فائنل میں شمالی کوریا کے ری کیون سان (RI KEUN SAN) کے ہاتھوں شکست کھا گئے، مگر یہ ناکامی بھی عارف خاں کی اس کام یابی کی اہمیت کو کم نہیں کر سکی، جو وہ پہلے ہی حاصل کر چکے تھے۔ عارف خاں نے یہ کام یابی محض اتفاقاً نہیں بلکہ بہت محنت اور اچھے کھیل کا مظاہرہ کر کے حاصل کی، اس لیے امید کی جاسکتی ہے کہ وہ آئندہ بھی اچھا کھیلیں گے اور مزید کام یابیاں حاصل کر کے پاکستان کا نام روشن کریں گے۔

ایک قیمتی تحفہ

بڑے لوگوں اور اپنی محبوب و پسندیدہ شخصیتوں کے دستخط اور تحریریں (آٹو گراف) جمع کرنا بچوں کا دل چسپ مشغلہ ہے۔ آٹو گراف کے لیے "آٹو گراف بُک" بھی ضروری ہوتی ہے۔ ہمدرد نے پاکستان کے پیارے بچوں کے لیے ایک خوب صورت اور عمدہ "آٹو گراف بُک" تیار کی ہے۔ ہماری درخواست پر ہمدرد نے یہ حسین بُک ہمدرد نونہال پڑھنے والے بچوں کو تحفے کے طور پر دینا منظور کر لیا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ ہمدرد نونہال کے خریدنے والے ہزارہا ہیں، اس لیے اس کی تیاری کچھ وقت لے گی۔ ہم ان شاء اللہ جنوری ۱۹۸۵ء کے شمارے کے ساتھ یہ قیمتی تحفہ آپ کو پیش کر سکیں گے۔ جنوری ۱۹۸۵ء کا ہمدرد نونہال جہاں سے بھی خریدیں اس کے ساتھ "ہمدرد آٹو گراف بُک" ضرور لیں اور اس کی کوئی قیمت نہ ادا کریں۔ ہمدرد نونہال فروخت کرنے والے ہر اسٹال، ایجنسی، اخبار فروش، شاپ کو یہ آٹو گراف بُک ارسال کردی جائے گی، اس لیے وہ یہ تحفہ ہمدرد نونہال کے ساتھ آپ کو پیش کریں گے۔

تحفے

مُسکراتے جُملے — عظیم اقوال — انوکھے نکتے — دل چسپ تحریریں

قدر

مرسلہ: حنا اختر، لاڑکانہ

رُپے کی قدر اس وقت مت کرو جب جیب خالی ہو جائے۔ تن درستی کی قدر اس وقت مت کرو جب طاقت جواب دے جائے۔ وقت کی قدر اس وقت مت کرو جب موقع ہاتھ سے نکل جائے۔

بلّی ہی سہی

مرسلہ: محمد مظہر الدین نعمانی، فیصل آباد

ایک بنیے کے گھر میں چور گھس آیا۔ رات کا وقت تھا۔ بنیا صحن میں سو رہا تھا۔ اسے کچھ آہٹ محسوس ہوئی تو اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ اِدھر اُدھر کان لگا کر سُنا تو معلوم ہوا کہ کوٹھری کے اندر سے آواز آ رہی ہے۔ قریب جا کر دیکھا تو کوٹھری کا دروازہ بھی کھلا ہوا تھا۔ اسے یقین ہو گیا کہ اندر کوئی ہے۔ اس نے فوراً دروازہ بند کر دیا اور چور چور چیخ کر لوگوں کو پکارنے لگا۔ جب چور نے دیکھا کہ اب لوگ آجائیں گے اور میں پکڑا جاؤں گا تو اندر سے بلّی کی بولی بولنے لگا۔ بنیا بڑا ہوشیار تھا وہ چور کی چال سمجھ گیا اور کہنے لگا کہ

اچھا پنچ کہیں بلّی تو بلّی ہی سہی۔

احتیاط

مرسلہ: عطاءاللہ شاہین، ضلع بھکر

دفتر میں پرانے ریکارڈ کے انبار کی وجہ سے بیٹھنے کے لیے جگہ نہ تھی۔ اعلا افسر نے آفس سپرنٹنڈنٹ کو حکم دیا کہ سارا ریکارڈ جلا دیا جائے۔ ایک ماہ بعد اُسے خیال آیا کہ اُس کے حکم کی تعمیل نہیں کی گئی اور انبار جوں کا توں موجود ہے۔ اُس نے سپرنٹنڈنٹ سے جواب طلب کیا تو اُس نے کہا، "سر، میں نے ایک ایک کاغذ جلا دیا تھا، لیکن اس ڈر سے کہ کہیں پرانے ریکارڈ کی ضرورت پڑ جائے ہر کاغذ کی ایک ایک نقل تیار کروالی تھی۔"

کرسی

مرسلہ: صبیحہ خورشید، ماڈل کالونی

یہ کرسی — اس پر بیٹھ کر قوم کی بے لوث خدمت اچھی طرح کی جاسکتی ہے۔ اس کے بغیر نہیں کی جاسکتی۔ اسی لیے تو جب لوگوں میں قومی خدمت کا جذبہ زور مارتا ہے تو وہ کرسی کے لیے لڑتے ہیں۔ ایک دوسرے پر کرسیاں اُٹھا کر پھینکتے ہیں۔

— ابنِ انشاء

کم سے کم نقصان

مرسلہ: سیما ماہین، ملیر کالونی

ایک صاحب دُکان دار سے کسی چیز کی قیمت کم کراتے

پر دیر سے بحث کر رہے تھے۔ جب وہ کسی طرح نہ مانے تو دُکان دار نے جھلا کر کہا، "میں تمھیں بیس سال سے اُدھار چیزیں دے رہا ہوں۔ تم نے آج تک کسی چیز کی قیمت ادا نہیں کی۔ اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ آئندہ بھی تم سے کچھ وصول نہیں ہو گا۔ پھر میری سمجھ میں نہیں آتا کہ قیمت کی کمی بیشی سے تمھاری صحت پر کیا اثر پڑے گا۔"

ان صاحب نے کہا، "تم دراصل نیک، شریف اور مخلص دُکان دار ہو۔ میں چاہتا ہوں کہ تمھارا کم سے کم نقصان ہو۔"

اقوالِ زریں

مرسلہ: محمد عثمان عبدالستار، کراچی

★ اپنی زندگی اصولوں کے تحت گزارو۔

★ اچھا دوست ایک نعمت ہے۔

★ جوانی میں محنت سے جی چرانا آئندہ سکون و راحت سے محروم رہنا ہے۔

★ اگر روح بیدار ہو اور فطرت معصوم ہو تو انسان بہت جلد اپنی غلطی سمجھ لیتا ہے۔

★ فوراً معاف کر دینا شرافت کی نشانی اور بدلا لینے میں عجلت کمینگی ہے۔

★ ظالم مظلوم کی دنیا بگاڑتا ہے اور اپنی آخرت۔

★ لوہے کی مضبوط دیوار گرائی جاسکتی ہے، لیکن بلند کردار کی تسخیر ناممکن ہے۔

بیلو کی پٹائی

مرسلہ: سیدہ سعدیہ، میرپورخاص

اماں اور ابا دونوں ہی بیلو کو جان سے زیادہ چاہتے تھے۔ اگر ذرا سی چھینک بھی آجاتی تو دونوں گھبرا جاتے۔ پر دادی اماں کا تو کہنا ہی کیا۔ وہ تو گھبرانے اور بوکھلانے میں ماہر تھیں۔ محلہ ٹولہ میں کوئی لڑکا پٹتا یا لڑکی کی کمر پر دوہتڑ پڑتے تو دادی اماں کو دورہ پڑ جاتا۔ اماں اور ابا تو کالج چلے جاتے۔ دادی اماں باورچی خانے میں جُٹ جاتیں اور بیلو کو چھوٹ مل جاتی۔ جو دل چاہتا کرتا۔ کوئی دوسرا بہن بھائی بھی اللہ نے نہ دیا کہ ذرا اسے چھیڑ کر رُلانے میں ہی مزا آجاتا۔ گھر اس قرینے کا تھا کہ کوئی شرارت ہی ممکن نہ تھی اور بیلو کا جی چاہتا تھا کہ کوئی شرارت کرے۔ —— عصمت چغتائی

بخشش

مرسلہ: گل خان نیازی، لانڈھی

مامون الرشید کو راستے میں ایک بدّو ملا اور کہنے لگا، "امیر المومنین، میں ایک بدّو مرد ہوں۔" مامون نے کہا، "کچھ تعجب کی بات نہیں۔" اُس نے کہا، "میں حج کے لیے جانا چاہتا ہوں۔" مامون نے کہا، "راستہ کھلا ہے، بڑی خوشی سے جاؤ۔" اُس نے کہا، "میرے پاس سفر کے لیے خرچ نہیں ہے۔" مامون نے کہا، "تو پھر حج تجھ پر فرض نہیں ہے۔" بدّو بولا، "اے امیر المومنین، میں آپ سے بخشش طلب کرنے آیا ہوں نہ کہ فتویٰ لینے۔" مامون ہنس پڑا اور بدّو کو انعام دینے کا حکم دیا۔

پانچ داتے

مرسلہ: نازیہ رمضان، کراچی

ابوبکر بن داؤد

اگر تن درست رہنا چاہتے ہو تو نیک بنو۔ نیک بننا چاہتے ہو تو دانا بننے کی کوشش کرو۔ دانا بننا چاہتے ہو تو مذہب کا مطالعہ کرو۔ خدا سے محبت کرو، کیوں کہ خدا کا خوف ہی دانائی کا آغاز ہے۔

علامہ اقبال

اگر آدمی بننا چاہتے ہو تو بنی نوعِ آدم کا احترام کرو۔

ارسطو

جو بات معلوم نہ ہو اس کے اظہار میں شرم نہ کرنی چاہیے۔

افلاطون

دنیا عاقل کی موت پر اور جاہل کی زندگی پر ہمیشہ آنسو بہاتی ہے۔

ایمرسن

سُکھ اور مسرت ایسے عطر ہیں جنھیں جتنا زیادہ آپ دوسروں پر چھڑکیں گے اتنی ہی زیادہ خوش بُو آپ کے اندر آئے گی۔

حکمتِ سعدی

مرسلہ: تسنیم فاطمہ جعفری، لاڑکانہ

★ نادان کے لیے چُپ سے بہتر اور کوئی چیز نہیں اور اگر تم نے یہ بات جان لی تو تم نادان نہیں ہو۔

★ بُرے انجام والے بادشاہ سے اچھے انجام والا فقیر اچھا ہے۔

★ اگر تمام راتیں قدر والی ہوتیں تو شبِ قدر کی قدر نہ ہوتی۔ ـــــ شیخ سعدی شیرازی

ماں

مرسلہ: فواد فاروقی، ٹنڈو جام

ماں وہ ہستی ہے جو تہذیب کی بنیاد ڈالتی ہے اور معاشرت کا روپ دھارتی ہے۔ ماں کی آغوش تمدن کا اولین گہوارہ اور تہذیب کی حقیقی تربیت گاہ ہے۔

اچھی باتیں

مرسلہ: نوشابہ سلیم، کشمور کالونی

★ آسمان سے نوٹ برسنے کی خواہش کے بجائے رحمتِ خداوندی برسنے کی خواہش کرو۔

★ یہ ٹھیک ہے کہ میرے کپڑے پھٹے ہوئے ہیں، لیکن مجھے فخر ہے کہ یہ میرے اپنے ہیں۔

★ مریض کی دعا لو، کیوں کہ اس کی دعا کا اثر فرشتوں کی دُعا جتنا ہے۔

★ اچھے کام کر کے مر جانا آبِ حیات پینے سے بہتر ہے۔

★ ستاروں کے ساتھ ناچنے سے انسان زمین پر گرتا ہے۔

پابندیِ وقت

خالد محمود ناز، جلال پور بھٹیاں

قائدِ اعظم محمد علی جناح اور سر سیتل داد ایک مقدمے میں مخالف وکیلوں کی حیثیت سے ایک سول جج کی عدالت

میں پیش ہوئے۔ مقدمے کی سماعت جاری تھی کہ جج صاحب نے کہا، "چوں کہ پانچ بجنے میں تھوڑا سا وقت رہ گیا ہے اور بحث طول پکڑ گئی ہے اس لیے میں آج ساڑھے پانچ بجے تک عدالت میں بیٹھنے پر آمادہ ہوں۔ آپ حضرات بحث جاری رکھیں۔"

محمد علی جناح نے جج کو جواب دیا، "جناب والا، عدالت کا وقت پانچ بجے ختم ہو جاتا ہے۔ آپ اگر اس کے بعد عدالت میں تشریف رکھنا چاہتے ہیں تو اکیلے ہی تشریف رکھیے ہماری اور بھی مصروفیات ہیں اور عدالت کے وقت کے مطابق ہم پانچ بجے تک ہی ٹھیر سکتے ہیں۔"
پانچ بجے قائدِ اعظم محمد علی جناح نے اپنا جملہ مکمل کیا اور سیتل داد کے ساتھ عدالت سے باہر نکل گئے۔ یہ تھی قائدِ اعظم کی پابندیِ وقت اور اصول پسندی۔

پانچ نکتے

مرسلہ: خالد نور خان، کراچی

★ علم کی مثال دریا کی سی ہے اسے جتنا خرچ کروگے گھٹے کا نہیں۔ (حضرت سلمان فارسی)

★ انسانوں کی بے غرض خدمت کرنا انسانیت کی معراج ہے۔ (مولانا محمد علی جوہر)

★ لگن کے بغیر کسی میں بھی اعلا ذہانت پیدا نہیں ہو سکتی۔ (ارسطو)

★ محبت سے زندگی بنتی ہے اور بے دلی سے موت۔ (ٹیگور)

★ شہرت بہادری کے کارناموں کی مہک ہے۔ (سقراط)

چار صفحے

مرسلہ: شجاع اعظم ملک، کراچی

کہہ دیا، "وقت کی پابندی پر ایک مضمون لکھو جو چار صفحے سے کم نہ ہو۔" اب کاپی کھولے ہوئے اس کے نام کو روئیے۔ کون نہیں جانتا کہ وقت کی پابندی اچھی بات ہے، لیکن اس پر چار صفحے کیسے لکھیے؟ جو بات ایک جملے میں کہی جاسکے اس کے لکھنے کے لیے چار صفحے کی کیا ضرورت! میں تو اسے حماقت کہتا ہوں، مگر نہیں آپ کو چار صفحے لکھنے پڑیں گے۔ جیسے چاہے لکھیے اور صفحے بھی پورے فل اسکیپ سائز کے۔ یہ لڑکوں پر ستم نا روا نہیں ہے تو کیا ہے؟ ظالم اس پر بھی یہ کہتے ہیں کہ اختصار سے کام لو۔ ایک ذرا سی بات پر تو آپ چار صفحے رنگواتے ہیں اور اس پر فرماتے ہیں کہ اختصار سے کام لو۔ تیز بھی دوڑیے اور آہستہ آہستہ بھی ہے متضاد یا نہیں؟ بچہ بھی سمجھ سکتا ہے، لیکن ان ماسٹروں کو اتنی بھی تمیز نہیں۔ اس پر بھی دعوا ہے کہ ہم ماسٹر ہیں۔

(منشی پریم چند)

تین شعر

مرسلہ: شمیم عبداللہ، کراچی

فقط نگاہ سے ہوتا ہے فیصلہ دل کا
نہ ہو نگاہ میں شوخی تو دلبری کیا ہے

ترے صوفے ہیں افرنگی ترے قالین ہیں ایرانی
لہو مجھ کو رلاتی ہے جوانوں کی تن آسانی

یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات ــــ علامہ اقبال

جولاہا اور چور

علی اسد

کسی زمانے میں تین بدنام چور رہا کرتے تھے۔ ایک جولاہا ان کا دوست تھا۔ یہ تینوں چور اسی جولاہے کے گھر میں اکٹھے ہوا کرتے تھے اور وہیں بیٹھ کر چوری کا پروگرام بناتے تھے اور وہیں چوری کا مال بھی آپس میں بانٹ لیا کرتے تھے۔ جولاہا ان چوروں کو کھانا کھلاتا تھا اور حقّہ پلاتا تھا۔ اس کے بدلے میں چور بھی اس کو چوری کے مال میں سے کچھ دے دیا کرتے تھے۔
ایک رات یہ چور چار بیل چُرا لائے۔ جولاہا یہ دیکھ کر بڑا حیران ہوا اور بولا، "ارے، تم لوگ ایک دن میں چار بیل لے آئے۔ اب کی بار مجھ کو بھی اپنے ساتھ لے چلنا۔" چور بولے، "نہیں ہم تم کو ایک بیل دے دیں گے، مگر تم ہمارے ساتھ نہ چلو۔" اس پر جولاہے نے کہا، "میں بیل نہیں لوں گا۔ میں تو خود اپنے آپ کچھ حاصل کرنا چاہتا ہوں۔"
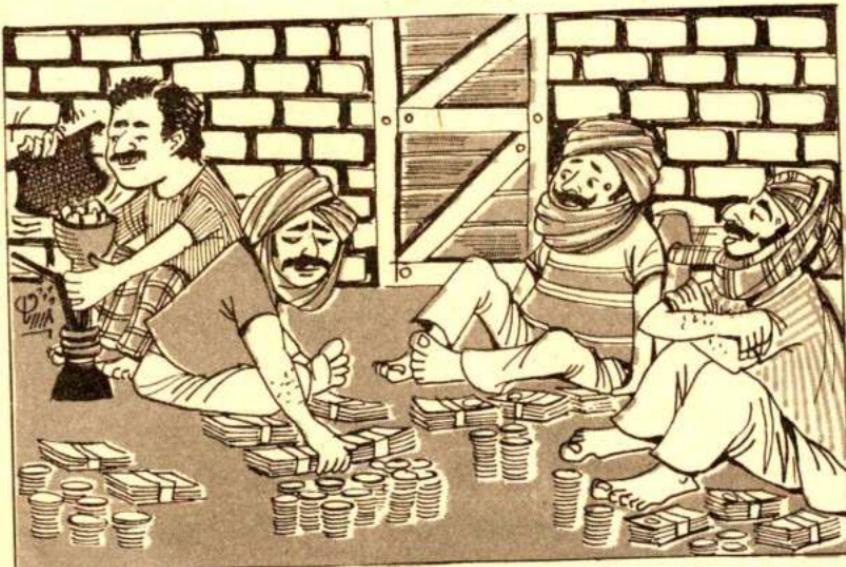
چناں چہ چوروں نے بیلوں کو ایک غار میں چھپا دیا اور اس کے بعد جب چوری کرنے چلے تو جولاہے کو بھی ساتھ لیتے گئے۔ اس بار یہ لوگ ایک شہر میں پہنچے اور یہ طے کیا کہ کسی ایسے گھر میں چوری کریں جس کی چھت چھپّر کی ہو۔ لہٰذا چوروں نے جولاہے سے کہا، "تم کوئی لمبا سا بانس تلاش کر لاؤ تاکہ اس کی مدد سے چھپّر کو اُٹھالیں اور گھر میں گُھس جائیں۔"
جولاہے نے اِدھر اُدھر تلاش کیا، مگر اسے کوئی بانس دکھائی نہ دیا۔ اسی مکان کے باہر کچھ لوگ چارپائیوں پر سو رہے تھے۔ جولاہا ان کے پاس گیا اور ایک آدمی کو جگا کر بولا "دیکھو بھلے آدمی، ہم تمھارے گھر میں چوری کرنے آئے ہیں۔ اس لیے تم ہم کو ایک لمبا بانس دے دو تاکہ اس سے ہم چھپّر کو اُٹھا سکیں۔" یہ سُنتے ہی وہ آدمی چیخنے لگا: "چور! چور!"
اس کی چیخ پکار سنتے ہی یہ چاروں چور بھاگ کھڑے ہوئے۔
کچھ دِنوں کے بعد یہ لوگ پھر ایک جگہ اکٹھّے ہوئے۔ چوروں نے جولاہے سے کہا، "دوست، تم ہمارے ساتھ نہ چلو۔ تم ہم سب کو پھنسوا دوگے اور ہم پھانسی پر لٹک جائیں گے۔ تم اسی جگہ رہو اور ہمارا انتظار کرو۔"
جولاہا بولا، "تم گھبراؤ نہیں، اِس بار میں زیادہ احتیاط سے کام لوں گا۔ ڈرو نہیں، مجھے بھی لے چلو۔"
چناں چہ چاروں روانہ ہو گئے اور دو تین گلیوں کا چکّر لگانے کے بعد ایک مکان کے پاس پہنچے۔ وہاں انھوں نے دیوار میں بڑا سا سوراخ بنا لیا۔ پھر چوروں نے جولاہے سے کہا، "تم یہاں دیکھتے رہنا۔ ہم لوگ اندر جا کر چیزیں لیتے آئیں گے اور تم کو دیتے جائیں گے۔" یہ کہہ کر چور سوراخ میں سے گھر میں داخل ہو گئے۔ جب بڑی دیر ہو گئی تو جولاہا سوچنے لگا کہ شاید یہ لوگ تمام اچھی اچھی چیزیں اپنے لیے رکھتے جا رہے ہیں۔ چناں چہ وہ بھی سوراخ کے ذریعہ سے گھر میں گھس گیا۔
جولاہا گھر کے اندر جو پہنچا تو اسے وہاں گھُپ اندھیرا ملا۔ ٹٹولتے ٹٹولتے وہ چولھے تک پہنچ گیا۔ چولھا ابھی تک گرم تھا۔ جولاہے نے چنگاریوں کو بھڑکایا۔ قریب ہی سوّیاں اور شکر رکھی تھی۔ اس نے انھیں پتیلی میں ڈال کر پکانا شروع کر دیا۔ اتفاق سے گھر کی مالکن چولھے کے قریب ہی چارپائی پر سو رہی تھی۔ اس نے جو کروٹ بدلی تو اس کا ہاتھ جولاہے کی ناک

اور پتیلی کے درمیان آگیا۔ جولاہا یہ سمجھا کہ یہ عورت بھی کھانا چاہتی ہے۔ لہٰذا اس نے گرم گرم سوّیاں چمچے سے نکال کر اس عورت کی ہتھیلی پر رکھ دیں۔ یہ عورت فوراً چیخ مار کر اُٹھ پڑی اس کی چیخ سُن کر اس کا شوہر بھی جاگ پڑا۔ جولاہا کُود کر اوپر چھپّر میں چھُپ گیا۔ عین اِسی وقت تینوں چور دوسرے کمرے سے سامان چُرا کر جو آئے تو وہ گھبرا کر اِدھر اُدھر کونوں میں چھپ گئے۔

اِدھر جولاہا چھپّر کی دَھنّیوں میں چُھپا اور اُدھر اس عورت کا شوہر آپہنچا۔ اس نے جو سوّیوں کی خوش بُو سونگھی تو چلّایا، "اچھا، تو تُو اکیلے میں سوّیاں پکا کر کھا رہی ہے!"

یہ کہہ کر اس نے ایک لکڑی اُٹھالی اور لگا عورت کو پیٹنے۔ بے چاری عورت مار کھاتی رہی اور اُوپر دیکھ کر روتے ہوئے بولی، "اُوپر والا سب جانتا ہے!"

اس کا مطلب یہ تھا کہ اللہ کو سب حقیقت معلوم ہے، لیکن جولاہا عورت کی بات سُن کر سمجھا کہ عورت اس پر الزام لگا رہی ہے۔ چناں چہ وہ چلّانے لگا، "صرف مجھ کو کیوں بُرا بھلا کہہ رہی ہو۔ دوسرے تو مجھ سے بھی بدتر ہیں۔ دیکھو تو وہ کہاں چھُپے ہوئے ہیں؟"

چھت پر سے یہ پُراسرار الفاظ سُن کر اور یہ سمجھ کر کہ چور گھر میں گھس آئے ہیں پریشان حال شوہر نے جلدی سے اپنی تلوار اُٹھالی اور دیوار میں جہاں سوراخ تھا وہاں کھڑا ہو گیا۔ اِدھر دونوں میاں بیوی کے شور وغل کو سُن کر پڑوسی آگئے اور چاروں چوروں کو پکڑ کر جیل خانے لے گئے۔

دوسرے دن صبح تینوں چوروں اور جولاہے کو بادشاہ کے سامنے پیش کیا گیا۔ بادشاہ نے نہایت سنجیدگی سے اپنی قانونی کتابیں کھولیں۔ ابھی بادشاہ کتابوں کو دیکھ ہی رہا تھا کہ جولاہا چیخ پڑا، "اے بادشاہ! اگر مجھے پھانسی پر لٹکانا ہے تو جلدی سے لٹکا دیجیے، کیوں کہ مجھے اپنے کام پر جانا ہے۔ میں تو ایک غریب جُولاہا ہوں۔ سورج تیز ہو چکا ہے۔ میں نے جو سُوت کل پھیلایا تھا وہ اب تک سُوکھ چکا ہو گا۔"

بادشاہ کو ہنسی مذاق کی باتیں بہت پسند تھیں۔ اسے جُولاہے کی یہ بات سُن کر بہت مزہ آیا۔ اور اس نے حکم دیا کہ جولاہے کو آزاد کر دیا جائے اور تینوں چوروں کو پھر جیل خانے میں بند کر دیا جائے۔

وہ درخت

میرزا ادیب

یہ خبر ہر جگہ پھیل گئی تھی کہ چند روز تک اُس درخت کو کاٹ دیا جائے گا جو نہ صرف بڑا پرانا تھا بلکہ بڑا گھمبیر بھی تھا۔ قصبے کا بوڑھے سے بوڑھا آدمی بھی اِس درخت کی عمر نہیں بتا سکتا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ بڑے بوڑھوں نے بھی اپنے بچپن میں اِسے اسی حالت میں دیکھا تھا جس میں ستّر اسّی بلکہ اس سے بھی زیادہ عمر میں دیکھ رہے تھے اور کسی کو بھی کبھی یہ گمان نہیں ہو سکتا تھا کہ قصبے کا یہ سب سے پرانا درخت ایک ڈیڑھ ہفتے کے بعد اس جگہ موجود نہیں ہو گا جہاں اسے بڑی لمبی مدت سے دیکھا جا رہا تھا۔

قصبے کا انتظام کرنے والی کمیٹی درخت کی جگہ پر اور اس کے اِرد گرد دفتروں کے لیے کئی عمارتیں بنانے کا ارادہ کر چکی تھی اور یہ عمارت سازی کا کام درخت کے کٹ جانے کے بعد ہی شروع کیا جا سکتا تھا۔

ویسے تو اس خبر سے اکثر لوگوں کو افسوس ہوا تھا، مگر عمران اور اس کے ساتھی بڑے اُداس ہو گئے تھے۔ خاص طور پر عمران کی تو آنکھوں میں آنسو بھی آ گئے تھے۔ وہ قریب قریب ہر روز شام کے وقت اس درخت کے نیچے جا کر یا تو اپنے دوستوں کے ساتھ کھیلتا رہتا تھا یا کوئی کتاب پڑھتا رہتا تھا۔ جس روز وہاں نہیں جا سکتا تھا اسے دُکھ ہوتا تھا۔ اسے درخت سے ایسی محبّت ہو گئی تھی جیسے یہ درخت نہیں، اس کا اپنا ساتھی ہے جس کے بغیر اسے اطمینان ہی نہیں ملتا۔

جب عمران کے چچا نے اس کو روتے ہوئے پایا تو بڑے پیار سے بولے،

"دیکھو عمران! پرانی چیزیں ختم ہو جاتی ہیں اور ان کے بجائے نئی چیزیں آ جاتی ہیں۔ یہی دنیا کا دستور ہے اور یہ کبھی نہیں بدل سکتا۔"

"مگر کمیٹی والے کہیں اور عمارتیں نہیں بنا سکتے؟" عمران نے پوچھا۔

"نہیں بیٹا! عمارتوں کے لیے یہ بہترین جگہ ہے۔ کمیٹی نے بڑے غور و خوص کے بعد اس جگہ

چچا جان نے کہا، "بیٹا، کمیٹی نے اس جگہ کا بڑے غور و خوص کے بعد انتخاب کیا ہے۔"

کا انتخاب کیا ہے۔"

عمران کے چچا نے اسے دلاسا دیا، "جب تم یہاں خوب صورت عمارتیں دیکھو گے تو خوش ہو جاؤ گے۔"

عمران زور زور سے رونے لگا، "نہیں چچا جان! میں بالکل خوش نہیں ہوں گا۔ کمیٹی والوں سے کہیے خدا کے لیے ہمارا درخت نہ کاٹیں۔"

گھر کے سارے بزرگوں نے عمران کو سمجھانے کی کوشش کی، لیکن اس کی اُداسی بڑھتی ہی گئی۔ وہ کمیٹی کے بڑے افسر سے بھی ملا اور منت سماجت سے انھیں اس کام سے باز رکھنے کی کوشش کی، مگر اس کی کوشش کام یاب نہ ہو سکی۔ عمران کے ابا جی نے جب دیکھا کہ عمران کو درخت کے کٹ جانے پر بڑا صدمہ ہو گا تو اسے قصبے سے کافی دُور شہر میں اس کی خالہ کے ہاں بھیج دیا۔

خالہ نے اسے ایک قریبی اسکول میں داخل کرا دیا اور یوں وہ اپنی خالہ کے ہاں رہنے لگا۔ دو تین ہفتے کے بعد عمران کے گھر والے وہاں آجاتے تھے اور اس سے ملاقات کر کے چلے جاتے تھے۔

عمران کی خالہ نے اندازہ لگا لیا تھا کہ قصبے میں جا کر جب وہ اس درخت کو نہیں پائے گا تو اسے شدید صدمہ ہو گا۔ اس لیے انھوں نے اس کا دل بہلانے کے لیے جتنے طریقے بھی ممکن تھے وہ سب کیے اور ان کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کی طبیعت ایک حد تک سنبھل گئی اور وہ اپنے نئے دوستوں میں خوش رہنے لگا اور ذوق و شوق سے پڑھائی کرنے لگا۔ وہ کبھی کبھی قصبے میں بھی چلا جاتا تھا اور گھر میں دو تین دن رہ کر واپس اپنی خالہ کے ہاں آجاتا تھا۔

کالج کی تعلیم ختم کرنے کے بعد اُس کے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ اپنے ملک سے باہر جا کر مزید تعلیم حاصل کرے۔ اس کے والد نے اس کا انتظام کر دیا اور وہ امریکا چلا گیا۔

امریکا کے قیام کے دوران اسے اپنے قصبے کا ایک پرانا دوست شاہد مل گیا۔ باتوں باتوں میں ماضی کا ذکر چھڑ گیا اور جس وقت شاہد نے قصبے کے اس درخت کا ذکر کیا جس کے سائے میں وہ کھیلا کرتے تھے تو عمران کے دل میں ایک ہوک سی اٹھی اور وہ اداس ہو گیا۔

رات کو سونے سے پہلے عمران کو اپنا پرانا زمانہ یاد آگیا اور جب اس درخت کا خیال آیا تو ایک دَم اُسے یوں محسوس ہوا کہ وہ اپنے اس بیتے ہوئے دَور میں چلا گیا ہے اور درخت کے نیچے اپنے ساتھیوں کے ساتھ کھیل رہا ہے۔ آدھی رات تک وہ سو نہ سکا اور کروٹوں پر کروٹیں لیتا رہا۔

امریکا میں ایک برس گزرا۔ دوسرا بھی گزر گیا۔ دو برس اور بیت گئے اور جو کورس وہ مکمل کرنے کی خاطر وہاں گیا تھا وہ اس نے مکمل کر لیا تھا۔ اب وہ اپنے وطن لوٹ سکتا تھا اور وہ واپس وطن کی طرف روانہ ہو گیا۔

اتنی مدت کے بعد اُس نے اپنے قصبے میں قدم رکھا تو اُسے ایک دَم احساس ہوا کہ وہ جس علاقے میں قدم اُٹھا رہا ہے وہ اس کا پرانا قصبہ نہیں ہے۔

قصبہ اتنا بدل چکا تھا کہ اسے وہ چیزیں نظر ہی نہیں آتی تھیں جو اس کی جانی پہچانی تھیں اور جنھیں دیکھنے کا وہ آرزو مند تھا۔ ایک جگہ ایک پرانا مکان دیکھ کر اُسے خیال آیا کہ وہ اس مکان کو پہچانتا ہے، کیوں کہ یہ اس کے پرائمری اسکول کے ایک چپراسی کا مکان تھا۔ اس نے سوچا وہ درخت بھی تو اس مکان سے کچھ دُور نظر آتا تھا۔ وہ کہاں ہے۔ مگر وہ کیسے نظر آسکتا تھا۔ وہاں تو کئی شان دار عمارتیں کھڑی تھیں۔ اس کا دِل بھر آیا اور وہ جلدی جلدی چلنے لگا۔ اس کے ساتھ اس کے ابا جی امی، چچا جی، باجی اور گھر کے کئی اور افراد بھی تھے۔ وہ باتیں کر رہے تھے اور ان کے ذہن میں یہ تصور

بھی نہیں آسکتا تھا کہ عمران کیا سوچ رہا ہے اور اس کی نگاہیں کیا تلاش کر رہی ہیں۔

وہ اپنے گھر کے سامنے پہنچ گیا۔ وہ حیران ہو کر بولا، "ابّا جی! آپ نے نیا مکان بنوالیا ہے؟" اس کے ابّا جی ہنس پڑے، "نہیں بیٹا! ہے تو وہی مکان۔ البتہ اس میں ردّوبدل کافی ہو چکا ہے اور تمھارے لیے نیا کمرا تعمیر کروایا ہے۔ اس کے اندر جاؤ گے تو خوش ہو جاؤ گے۔" اور واقعی عمران جب اُس کمرے میں داخل ہوا جو اس کے ابّا جی نے اس کے لیے بنوایا تھا تو وہ بہت خوش ہوا۔ بڑا وسیع، کشادہ اور خوب صورت کمرا تھا۔ فرنیچر بھی اعلا درجے کا تھا۔ کھڑکیوں اور روشن دانوں سے ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا آرہی تھی۔ تھوڑی دیر اپنے کمرے میں گزارنے کے بعد وہ نیچے چلا گیا۔

بہت سارے رشتے دار اُس سے ملنے کے لیے آچکے تھے۔ کھانا کھانے کے بعد باتوں کا جو سلسلہ شروع ہوا تو رات کے ایک بجے تک بھی ختم نہ ہوا۔

"عمران بیٹا! اب جا کر سو رہو۔ تھکے ہوئے ہو۔" عمران اوپر چلا گیا۔

یہ سُن کر کہ درخت اس سے محبت کرتا ہے عمران کی آنکھ میں آنسو آ گئے۔

"ابو امی کتنے اچھے ہیں۔ میرے لیے کتنا خوب صورت کمرا بنوا دیا ہے۔"
اس کے ذہن میں خیال آیا اور وہ دل ہی دل میں ان کا شکریہ ادا کرنے لگا۔ پتا نہیں کیا بات تھی کہ اس وقت اسے اپنے پرانے درخت کا خیال بار بار آرہا تھا۔ لگتا تھا جیسے وہ اپنے اس درخت کے نیچے گہری، ٹھنڈی چھاؤں میں بیٹھا ہے، اور کبھی یوں لگتا تھا کہ درخت کی شاخیں اسے پیار کرنے کے لیے اس پر جھک سی پڑی ہیں۔ کبھی اسے یہ احساس ہوتا تھا کہ وہ درخت پر بیٹھی ہوئی چڑیوں کا خوش نوا نغمہ سُن رہا ہے۔ یہ نغمہ اُسے بڑا پیارا لگتا تھا اور تنہائی کے لمحوں میں جب یہ نغمہ سُنتا تھا تو اس کی عجیب کیفیت ہو جاتی تھی۔ اس وقت بھی اس کی عجیب کیفیت ہو گئی تھی۔
وہ صبح دیر سے جاگا اور نیچے جانے کا ارادہ کر رہا تھا کہ اس کے ابّو اوپر آگئے۔
"السلام علیکم ابّا جان۔"
"وعلیکم السلام۔ صبح بخیر۔"
"صبح بخیر۔"
"کمرا پسند آیا بیٹا؟"
"بہت پسند آیا ہے ابّا جان۔ بڑا کشادہ اور خوب صورت ہے۔ پر ابّا جان! ایک بات سمجھ نہیں سکا۔" عمران نے کہا۔
"وہ کیا بات ہے عمران؟"
عمران ذرا رُکا اور پھر کہنے لگا:
"ابّا جان! میں امریکا میں چار برس رہا۔ درخت کی یاد کبھی کبھی وہاں بھی آجاتی تھی، مگر ابّا جان! رات تو مجھے بار بار ایسا محسوس ہوا کہ وہ بالکل میرے قریب ہے۔ اس کی شاخیں میرے سر کے اوپر چاروں طرف پھیلی ہوئی ہیں۔ جیسے مجھے پیار کر رہی ہیں۔ معلوم نہیں ایسا کیوں ہوا ہے۔"
عمران کے ابّا مسکرانے لگے اور بولے:
"بیٹا! محبّت بے جان چیزوں سے بھی کرو تو وہ بھی محبّت کا جواب محبّت سے دیتی ہیں۔ وہ درخت کاٹا گیا تھا اور اس کی لکڑی نیلام ہوئی تھی۔ میں بھی اُس لکڑی کا کچھ حصّہ لے آیا تھا اور تمھارے کمرے میں وہی لکڑی استعمال ہوئی ہے۔ وہ درخت تم سے محبّت کرتا ہے، کیوں کہ تم اُس سے محبّت کرتے تھے۔" یہ الفاظ سُن کر عمران کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ یہ آنسو خوشی اور احسان مندی کے تھے۔

سلسلے وار کہانی

قسط پنجم

چالاک خرگوش

کرشن چندر

خرگوش اپنے سینے پر تمغے وغیرہ لگا کر آیا جو اس نے پچھلی دوڑ میں جیتے تھے۔ کچھوے بے چارے کے پاس تو کوئی تمغا نہ تھا، لیکن اس نے دوسرے طریقے سے دوڑ کی تیاری کرلی۔ کچھوے کے چار بچے تھے اور ایک بیوی تھی اور ان سب لوگوں کی شکل ایک دوسرے سے اس قدر ملتی تھی کہ کوئی کہہ نہ سکتا تھا کہ یہ کچھوا ہے، یہ اس کی بیوی ہے، یہ اس کا بیٹا ہے۔ انھیں ایک دوسرے سے الگ الگ کر کے پہچان لینا بہت مشکل تھا۔ اس کا فائدہ اٹھاتے ہوئے کچھوے نے جہاں پر سے ریس (دوڑ) شروع ہوئی تھی وہاں قریب ہی اپنی بیوی کچھوی کو ایک جھاڑی میں چھپا دیا اور باقی چاروں بچّوں کو ایک ایک میل کے بعد ہر کھمبے کے قریب کی جھاڑی یا درخت کی آڑ میں چھپا دیا اور خود سب سے آخری کھمبے پر جہاں دوڑ ختم ہونی تھی جا کے چھپ گیا۔ جب ریس شروع ہونے کا وقت آیا تو گدھ نے اپنی جیب سے گھڑی نکالی اور کہا، "تیار ہو خرگوش؟"

گدھ کا اشارہ پاتے ہی خرگوش اور کچھوی نے دوڑ شروع کر دی۔

"جی ہاں!" خرگوش نے جواب دیا۔
"اور تم کچھوے؟"
"جی ہاں!" کچھوی جھاڑی کے پاس سے چلائی۔
"تو بھاگو۔"
گدھ نے اشارہ کیا اور اشارہ پاتے ہی خرگوش نے سڑک پر دوڑنا شروع کیا۔ کچھوی جھاڑیوں جھاڑیوں میں سے گھسٹتی چلی اور سیدھی اپنے گھر چلی گئی۔
جب خرگوش تیزی سے دوڑتے ہوئے پہلے میل کے کھمبے پر پہنچا تو وہ یہ دیکھ کر بڑا خوش ہوا کہ وہاں پر کچھوے کا نام و نشان نہ تھا۔ اس نے زور سے آواز دے کر جنگل کی طرف منھ کر کے کہا "کہاں ہو بھائی کچھوے؟"
"یہاں ہوں میں!" کچھوے کے پہلے بیٹے نے کھمبے کے پاس کی جھاڑی سے نکل کے کہا۔ اب تو خرگوش پہلے سے بھی زیادہ تیزی سے بھاگا۔ کچھوے کا بیٹا اطمینان سے مسکراتا ہوا اپنے گھر چلا گیا۔ خرگوش جب دوسرے کھمبے کے پاس پہنچا تو پھر اس نے کچھوے کو وہاں پر اپنے سے پہلے پایا۔ وہ یہ دیکھ کر اور بھی تیز دوڑا، مگر تیسرے کھمبے پر بھی ایک کچھوا موجود تھا اور اسی طرح چوتھے کھمبے پر۔ اب تو خرگوش نے سر دھڑ کی بازی لگادی اور اتنی تیزی سے دوڑا کہ زندگی میں اتنا تیز کبھی نہیں دوڑا تھا۔ اس کی سانس پھول رہی تھی مگر اس نے پروا نہ کی اور آخری میل پر دوڑتا چلا گیا۔ بہت دُور سے کچھوے نے اسے آتے ہوئے دیکھ لیا۔ وہ آہستہ سے اپنی جھاڑی سے نکلا اور جنگل کے سارے جانوروں کے سامنے آہستہ آہستہ چلتا ہوا پانچویں میل کے کھمبے سے ذرا سا آگے جا کر ایک جھاڑی میں بیٹھ گیا اور ہانپنے کا بہانہ کرنے لگا۔
اتنے میں خرگوش بھی ہانپتا کانپتا دوڑتا آخری کھمبے پر پہنچ گیا۔ اس نے جب آخری کھمبے پر کچھوے کو نہ دیکھا تو وہ مارے خوشی کے چلّا پڑا، "میرا انعام! گدھ بھائی لاؤ میرا انعام!"
اس پر کچھوے نے پانچویں کھمبے کی آگے والی جھاڑی سے باہر نکل کر کہا، "آداب عرض ہے خرگوش بھائی۔ افسوس ہے کہ میں آپ سے ذرا پہلے آگیا ورنہ آپ ہی کو ملتا۔"
گدھ جج نے پچاس رُپے کچھوے کو دے دیے۔
کھتیا کولی اور اس کی لڑکیاں خرگوش پر ہنسنے لگیں۔ خرگوش بہت شرمندہ ہوا اور اس

لومڑ نے کچھوے کو اُٹھا کر اپنے تھیلے میں ڈال دیا۔

نے آئندہ سے شیخی بگھارنے سے توبہ کر لی، کیوں کہ اب اس کی سمجھ میں آ گیا تھا کہ بڑے بول کا سر ہمیشہ نیچا ہوتا ہے۔ اس نے بڑی محبت سے کچھوے سے ہاتھ ملایا، اسے مبارک باد دی اور اس کا شکریہ ادا کیا کہ اس نے اتنا اچھا سبق خرگوش کو دیا تھا۔

"میں زندگی بھر تمھارے اس احسان کو نہیں بھولوں گا۔" کچھوے نے خرگوش سے بغل گیر ہوتے ہوئے کہا۔

اس واقعے کے بعد کچھوا اور خرگوش پھر ایک دوسرے کے دوست بن گئے۔

خرگوش اور کچھوا ایک دوسرے کے دوست بن گئے تھے، لیکن لومڑ اپنی شکست نہیں بھولا تھا۔ اسے یہ بھی اچھی طرح یاد تھا کہ اُس روز کھتیا کوبی کے گھر میں کم بخت کچھوے نے اس کے سر پر گر کر خرگوش کو بچا لیا تھا ورنہ خرگوش کی کیا مجال تھی کہ اس روز اس کے ہاتھ سے نکل جاتا۔ لومڑ جب سے اس تاک میں تھا کہ کسی طرح کچھوے سے اس کا بدلا لے۔

اس دوڑ کے کچھ دنوں کے بعد کچھوا بڑے اطمینان سے اپنے راستے پر جا رہا تھا، ندی میں نہانے کے لیے، کہ راستے میں اسے لومڑ نے دیکھ لیا، لیکن کچھوے نے لومڑ کو نہیں دیکھا۔ لومڑ کچھوے کو دیکھ کر سیدھا گھر گیا اور ایک تھیلا اُٹھا لایا۔ جب تھیلا اُٹھائے واپس آیا تو کچھوا اب تک چند گز ہی چلا تھا۔ لومڑ نے کچھوے کو اُٹھا کے اپنے تھیلے میں ڈال لیا اور اپنے گھر کو چلا۔ کچھوے

نے بہت شور مچایا، بہت واویلا کیا، مگر لومڑ نے ایک نہ سنی اسے تھیلے میں ڈالا اور اپنے گھر لے چلا۔

آگے راستے میں خرگوش نے لومڑ کو ایک جھاڑی کے پیچھے سے دیکھ لیا کہ تھیلا اٹھائے اپنے گھر جا رہا ہے۔ خرگوش کے جی میں آیا کہ دیکھے اس تھیلے میں کیا ہے۔ یہ خیال آتے ہی وہ اُٹھ کے بھاگا اور لومڑ کے آنے سے پہلے ہی لومڑ کے کھیتوں میں چلا گیا۔ یہ تربوز کی فصل کا موسم تھا اور لومڑ کے کھیت میں بہت عمدہ تربوز آئے تھے۔ خرگوش نے ایک لکڑی مار کر دو ایک تربوزوں کو توڑ دیا، کچھ کھایا، کچھ پھینک دیا۔ دو ایک جگہ کی بیلوں کے پتے توڑ کر پھینک دیے۔ ایک جگہ سے کھیت کی باڑھ گرادی اور یہ سب کام چوپٹ کر کے وہ جلدی سے واپس آکر لومڑ کے گھر کے قریب ایک جھاڑی میں چُھپ گیا۔

تھوڑی دیر کے بعد لومڑ اپنا تھیلا اُٹھائے ہوئے گھر میں داخل ہوا۔ اس نے تھیلا اُٹھا کے دیوار پر ٹانگ دیا اور خود کرسی پر بیٹھ کے پائپ پینے لگا اور سوچنے لگا کہ کچھوے کو کس طرح کھایا جائے۔ اتنے میں دروازے پر زور سے دستک ہوئی اور خرگوش نے اپنا منھ ذرا سا اندر ڈال کے کہا، "بھیا لومڑ! بھیا لومڑ! وہ لوگ تمھارے کھیتوں کو اُجاڑ رہے ہیں۔ سُؤر اور دوسرے جانور تمھارے کھیتوں کے تربوز کھا رہے ہیں۔ میں نے منع کیا مگر وہ بڑے بڑے جانور

خرگوش نے اطلاع دی، "بھیا لومڑ، وہ لوگ تمھارا کھیت اُجاڑ رہے ہیں۔

ہیں۔ وہ ایک چھوٹے سے خرگوش کی بات کہاں سنتے ہیں۔ انھوں نے اُلٹا مجھے بھگا دیا۔ میں تو اب گھر جاتا ہوں۔ میرا بچّہ بیمار ہے۔ تم جلدی سے جا کے اپنی فصل کو بچاؤ، اگر بچانا چاہتے ہو۔"

یہ کہہ کر خرگوش جلدی سے وہاں سے بھاگ گیا۔ لومڑ نے اسی وقت ایک ڈنڈا اٹھایا اور اپنے کھیتوں کو بچانے کے لیے بھاگا۔ اس کے جانے کے بعد خرگوش ایک دم اُچک کر لومڑ کے کمرے میں آ گیا اور اس نے تھیلا اُٹھا کے اُسے ٹٹولا تو اندر سے کچھوے نے گھبرا کے کہا، "مجھے نہ مارو لومڑ بھائی، میری بیوی بیوہ ہو جائے گی، میرے بچّے یتیم ہو جائیں گے۔"

"ہا ہا ہا۔ کچھوے بھائی ہیں!" خرگوش نے ہنس کر کہا، "ارے کچھوے بھائی، تم کیسے پکڑے گئے۔ تم تو اتنا تیز دوڑتے ہو۔ پھر تم پکڑے گئے۔"

کچھوے نے خرگوش کی آواز پہچان لی اور گڑگڑا کر کہنے لگا، "وہ ..... وہ میں نے تم کو دھوکا دیا تھا۔ خدا کے لیے اس وقت مجھے بچا لو۔ میں تمھارے پچاس رُپے لوٹا دوں گا، بلکہ پچاس رُپے اپنی طرف سے بھی دوں گا مگر کسی طرح سے میری جان بچا لو۔"

خرگوش کچھ کہے سُنے بغیر تھیلے کو اُٹھا کے باہر نکل گیا۔ جنگل میں اس نے بھڑ کے ایک چھتّے کو دیکھا کہ جس کا سوراخ بہت چھوٹا تھا۔ خرگوش نے گیلی مٹی لے کر جلدی سے اس سوراخ کو بند کیا۔ چھتّے کو توڑے بغیر بڑی احتیاط سے تھیلے میں ڈالا اور کچھوے کو باہر نکالا۔ پھر وہ تھیلا اٹھائے بھاگا بھاگا لومڑ کے گھر گیا اور تھیلے کو اسی طرح دیوار پر ٹانگ دیا۔ اس کے بعد وہ اور کچھوا دونوں لومڑ کے گھر کے باہر گھنی جھاڑیوں میں چُھپ گئے، تماشا دیکھنے کے لیے۔

اُدھر جب لومڑ کھیتوں میں گیا تو اُسے وہاں کوئی جانور نہیں ملا۔ نہ سور نہ کوئی اور۔ تربوزوں کے علاوہ ساری فصل بھی اپنی جگہ پر ٹھیک تھی۔ اسے بڑا غصّہ آیا مگر سمجھ گیا کہ خرگوش نے اس کے ساتھ چالاکی کی تھی۔ اب خرگوش تو اس کے سامنے نہیں تھا جس سے وہ بدلا لیتا۔ اس کا دوست کچھوا اس کے گھر تھیلے میں بند تھا۔ لومڑ نے سوچا وہ کیسے اس سے بدلا لے گا۔ پہلے تو وہ بند تھیلے کو ہی زمین پر رکھ کر ڈنڈے سے کچھوے کو تھیلے کے اندر رکھ کے ہی پیٹے گا اور اچھی طرح اس کی ہڈی پسلی ایک کرنے کے بعد اسے تھیلے سے نکال کے کھا جائے گا۔

گھر کے باہر جھاڑیوں میں چُھپے ہوئے خرگوش اور کچھوا دیکھ رہے تھے کہ اب کیا کیا ہوتا ہے۔

تھوڑی دیر تک تو بالکل خاموشی رہی۔ پھر کرسی کے گرنے کی آواز آئی۔ پھر پلیٹیں اور پیالوں کے گر کر ٹوٹنے کی آواز آئی۔ تھوڑی دیر میں لومڑ خود کھڑکی سے نکل کر بھاگا۔ اس کے اِردگرد بھڑوں کا بادل سا منڈلا رہا تھا اور وہ چیختا چلّاتا ہوا مدد کے لیے پکار رہا تھا:

"مجھے بچاؤ۔ مجھے بچاؤ۔ مجھے ان ظالم بھڑوں کے ڈنک سے بچاؤ۔"

لومڑ زمین پر گر کر لوٹ پوٹ ہونے لگا، مگر بھڑیں تھیں کہ برابر اسے کاٹے جا رہی تھیں۔ اس منظر کو دیکھ کر خرگوش اور کچھوا ہنستے ہنستے بے حال ہو گئے۔ ان کی آنکھوں سے ہنستے ہنستے آنسو نکل آئے اور اب تو مارے ہنسی کے ان کے منھ سے آواز بھی نہ نکلتی تھی۔ انھوں نے زندگی میں اس سے بہتر تماشا نہیں دیکھا تھا۔

بھڑوں کے چھتّے کے واقعہ کے بعد بہت عرصے تک لومڑ کی ہمت نہ پڑی کہ وہ خرگوش یا کچھوے سے ٹکر لے سکے۔ اس نے ان سے بدلا لینے کا خیال چھوڑ دیا اور ان کے ساتھ امن اور دوستی سے رہنے کی کوشش کرنے لگا۔ خرگوش بھی یہی چاہتا تھا۔ وہ اپنے تمام ہمسایوں سے امن اور شانتی سے رہنا چاہتا تھا اور ان کے ساتھ مل کے کھیتوں میں کام کرنا چاہتا تھا اور سارے جنگل کا بھلا چاہتا تھا۔ مگر یہ اس کے ہمسائے ہی تھے جو اسے کم زور جان کر بار بار ستاتے

بھڑوں نے لومڑ پر چاروں طرف سے حملہ کر دیا۔

کی کوشش کرتے تھے۔

اس بار جب فصل تیار ہوئی اور فصل کاٹنے کا وقت آیا تو پہلے کی طرح لومڑ بھائی اور ریچھ بھائی اور بھیڑیا بھائی اور چیتا بھائی اپنا حصّہ بٹانے آن پہنچے اور اپنی طاقت کے بل پر سب سے بڑا حصّہ فصل کا چھین کر لے گئے اور خرگوش کے لیے اور کچھوے کے لیے اور جنگل کے دوسرے چھوٹے جانوروں کے لیے جنھوں نے فصل پر سب سے زیادہ محنت کی تھی بہت کم حصّہ چھوڑ گئے۔ کبھی تو دھوکا دے کے لے جاتے تھے اور کبھی زبردستی لے جاتے، مگر ہمیشہ لے جاتے تھے۔ اور ان غریب چھوٹے جانوروں کو ہمیشہ اپنی بیوی بچّوں سمیت بھوکا رہنا پڑتا تھا۔ اس سال بھی جب بڑے جانوروں نے ایسا ہی کیا تو خرگوش تو بہت پریشان ہو گیا۔ کتنی عمدہ فصل ہوئی تھی اس سال، اور اس سال بھی وہ بھوکا رہے گا؟ یہی سوچ سوچ کر خرگوش نے اپنے دل میں ٹھان لی کہ اب کے وہ جنگل کے ان بڑے بڑے جانوروں کو ایسا سبق سکھائے گا کہ وہ دوبارہ ایسی حرکت نہ کر سکیں۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے۔ گرمیوں کے دن تھے اور کھیتوں میں کوئی کام نہ تھا۔ چناں چہ خرگوش اور کچھوا دونوں ایک گھنی جھاڑی کے نیچے بیٹھ کر گزرے ہوئے زمانے کی باتیں کرنے لگے اور ان واقعات کو دُہرانے لگے جب جنگل کے بڑے بڑے جانوروں کے ہاتھوں بڑی مشکل سے ان کی جانیں بچی ہیں۔ دیکھو تو ہم چھوٹے جانوروں کو بھی کیسے ہر وقت اپنی جان کا خطرہ رہتا ہے۔ کچھوے نے کہا، دن کے چوبیس گھنٹوں میں سے بیس گھنٹے تو اپنی جان کی حفاظت میں اور بڑے جانوروں کے حملے کے ڈر میں گزر جاتے ہیں۔ نیند بھی ٹھیک طرح سے نہیں آتی۔ کام بھی ٹھیک طرح سے نہیں ہوتا۔

ہاں بھائی کچھوے! میں خود کئی دِنوں سے سوچ رہا تھا۔ یہ اپنے بھائی بھیڑیے اور بھائی ریچھ اور بھائی لومڑ کس قدر لالچی اور خود غرض ہیں۔ ہمیشہ اپنے فائدے اور اپنے بھلے کی سوچتے ہیں، چاہے دوسروں کی جان چلی جائے انھیں اس سے کوئی غرض نہیں۔

دیر تک دونوں دوست اسی طرح باتیں کرتے رہے۔ آخر خرگوش نے کہا، یہ لوگ اوپر سے بڑے بنتے ہیں۔ اصل میں یہ بھی ہماری طرح معمولی جانور ہیں۔ میں تو سوچتا ہوں ان کو

فصل بانٹنے کا وقت آتے ہی لومڑ، ریچھ اور بھیڑیا اپنا حصہ لینے آگئے۔

کسی نہ کسی طرح نیچا دکھانا چاہیے، تاکہ سب جنگل کے جانوروں کو معلوم ہو جائے کہ جتنے یہ بڑے بنتے ہیں اتنے بڑے لوگ یہ اصل میں نہیں ہیں!

"ترکیب تو بہت عمدہ ہے مگر یہ سب کچھ ہوگا کیسے؟" کچھوے نے خرگوش سے پوچھا۔

خرگوش نے کہا، "دیکھو ایک ترکیب میرے ذہن میں آتی ہے۔ آج کل چاندنی راتیں ہیں۔ ہم جنگل کے پرانے تالاب میں بھائی ریچھ، بھائی بھیڑیے اور بھائی لومڑ کو چاندنی رات میں مچھلی کے شکار کی دعوت دیں گے۔"

"پھر!" کچھوے نے پوچھا۔

خرگوش نے کہا، "آگے مت پوچھو۔ بس آگے میں سب بات کر لوں گا۔ تم جیسا میں کہوں ویسا کرنا۔ جو بات میں کہوں اُس کی ہاں میں ہاں ملاتے رہنا۔"

اس کے بعد خرگوش تو اپنے گھر چلا گیا اور کچھوا تالاب کی طرف روانہ ہوا تاکہ دوسرے دن چاندنی رات سے پہلے پہلے وہاں پہنچ جائے۔

دوسرے دن خرگوش نے جنگل کے بہت سے جانوروں کو تالاب پر مچھلی کے شکار کے لیے بلایا۔ جانوروں کو خرگوش کی یہ بات بہت پسند آئی اور انھوں نے اس کی عقل کو بہت سراہا۔ کھیتا کولی اور اس کی تینوں لڑکیاں غنیا، عنیا اور سنیا بھی آئیں۔

سوداگر کی لڑکی

سرور جمال

ایک سوداگر کے ایک لڑکی تھی جس کا نام بیلا تھا۔ بیلا کی ماں کی موت اس کے بچپن میں ہی ہو گئی تھی۔ کچھ دنوں کے بعد سوداگر نے دوسری شادی کر لی، لیکن بیلا کو وہ بہت چاہتا تھا۔ ایک بار اسے اپنی تجارت کے سلسلے میں زیادہ دنوں کے لیے باہر جانا پڑا۔ اس وقت بیلا گیارہ سال کی تھی۔ جانے سے پہلے اس نے اپنی بیوی سے کہا،

"دیکھو میں ایک لمبے عرصے کے لیے باہر جا رہا ہوں تم بیلا کا خیال رکھنا۔" سوداگر کی بیوی نے اسے اطمینان دلا دیا اور وہ پورے اطمینان سے باہر چلا گیا، وہ دل ہی دل میں بیلا سے

سوتیلی ماں نے کپڑوں کی گٹھری میں ایک چوہا اور جلتا ہوا کوئلہ ڈال دیا۔

جلتی تھی۔ اب اسے اچھا موقع مل گیا۔ اس نے سوچا کیوں نہ اس کی زندگی ہی ختم کر دی جائے۔ اب وہ اس تاک میں رہنے لگی کہ کب بیلا کوئی غلطی کرے اور وہ سزا دینے کے بہانے اس کی زندگی ہی ختم کر دے۔

کچھ ہی دِنوں کے بعد بیلا کی سہیلی کی شادی تھی۔ بیلا نے ماں سے شادی میں جانے کی اجازت مانگی۔ ماں نے نہ صرف اجازت دے دی بلکہ اس کے لیے ایک بہت اچھا زرتار جوڑا بھی بنا کر دیا اور کہا،

"اس جوڑے کو تم شادی کے دن پہننا۔ اگر یہاں سے پہن کر جاؤ گی تو جوڑا میلا ہو جائے گا اور دیکھو بہت احتیاط سے سنبھال کر رکھنا خراب نہ ہونے پائے۔" اس کے بعد اس نے ان کپڑوں کی گٹھری باندھتے ہوئے ایک چوہا اور ایک جلتا ہوا کوئلا ڈال دیا۔

اپنی سہیلی کے گھر پہنچ کر جب اس نے کپڑے بدلنے کے لیے گٹھری کھولی تو اس میں سے ایک چوہا نکل کر بھاگا۔ اس نے جب کپڑوں کو دیکھا تو کچھ کپڑوں کو چوہے نے کتر لیا تھا اور کچھ کوئلے سے جل گئے تھے۔ بیلا بہت پریشان ہوئی۔ اس نے اپنی سہیلی کے کپڑے مانگ کر اپنا کام چلایا۔

گھر واپس جا کر اس نے ماں سے اپنی پوری بات بتائی۔ یہ بات سُن کر اور کپڑوں کی درگت دیکھ کر ماں سخت ناراض ہوئی اور بیلا کو خوب مارا۔ پھر وہ چاول کوٹنے بیٹھ گئی اور بیلا کو حکم دیا کہ اوکھلی کے اندر ہاتھ ڈال کر چاول چلائے۔ بیلا کا ایک ہاتھ زخمی ہو گیا۔ تکلیف کی وجہ سے جب اس نے ہاتھ باہر نکال لیا تو ماں نے حکم دیا کہ دوسرا ہاتھ چاول کے اندر ڈال کر چاول چلائے۔ اس طرح اس کا دوسرا ہاتھ بھی زخمی ہو گیا۔ پھر اس کی ماں نے موسل سے اس کا سر کچل کر اسے مار ڈالا اور آنگن میں دفن کر دیا۔

بیلا کو جہاں دفن کیا گیا تھا وہاں لوکی کی ایک بیل نکل آئی۔ اس بیل میں لمبی لمبی لوکیاں لگنے لگیں۔ ایک دن ایک بھکارن نے لوکی دیکھی۔ اس نے سوداگر کی بیوی سے کہا کہ ایک لوکی اسے خیرات میں دے دے۔

سوداگر کی بیوی نے کہا، "ہمارے یہاں تو کوئی لوکی ہے نہیں۔"

بھکارن بولی، "جہاں چاول کوٹا جاتا ہے وہاں لوکی لگی ہے۔"

سوداگر کی بیوی نے کہا، "اگر ہو تو ایک لے لو۔"

محلے کے لڑکوں نے سوداگر کی بیوی سے نارنگی توڑنے کی اجازت حاصل کر لی۔

بھکارن نے جیسے ہی توڑنے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ لوکی کی بیل سے آواز آئی:

نا کوئی مجھ کو ہاتھ لگائے
نا کوئی میری لوکی توڑے
سوتیلی ماں نے کچل کے مارا
میں ہوں سوداگر کی بیٹی بیلا

بھکارن یہ سُن کر ڈر گئی اور سوداگر کی بیوی سے کہا:

"مجھے نہیں چاہیے یہ لوکی۔ یہ لوکی تو بولتی ہے اور کہتی ہے میری سوتیلی ماں نے مجھے مار ڈالا۔ میں سوداگر کی بیٹی ہوں۔" بھکارن کے جانے کے بعد سوتیلی ماں نے لوکی کی بیل کو جڑ سے اُکھاڑ دیا اور باہر باغ کے کونے میں ڈال دیا۔

کچھ دنوں بعد اس جگہ پر ایک نارنگی کا پیڑ نکل آیا، جس میں نارنگی کے خوب پھل آ گئے۔ محلے کے لڑکوں نے جاکر سوداگر کی بیوی سے کہا:

"آپ کے پیڑ سے ہم نارنگیاں توڑ لیں ؟"

سوداگر کی بیوی نے بہت حیرت سے کہا:

"ہمارے ہاں نارنگی کہاں ؟ اگر تمھیں دکھائی دیتی ہوں تو توڑ لو ۔" لڑکے جیسے ہی نارنگی توڑنے کے لیے بڑھے ایک آواز آئی:

نا کوئی مجھ کو ہاتھ لگائے
نا کوئی میری نارنگی توڑے
سوتیلی ماں نے کچل کے مارا
میں ہوں سوداگر کی بیٹی بیلا

پیڑ کو بولتے دیکھ کر لڑکے ڈر کے مارے بھاگے اور سوداگر کی بیوی سے جا کر کہنے لگے:

"اس پیڑ پر کوئی آسیب ہے ۔ اس پیڑ سے آواز آرہی ہے کہ سوتیلی ماں نے مجھے کچل کر مارا اور میں سوداگر کی بیٹی ہوں ۔ ہمیں نہیں چاہیے ایسی نارنگی ۔"

لڑکوں کے جانے کے بعد سوداگر کی بیوی نے نارنگی کا پیڑ کٹوا کر دریا میں ڈلوا دیا ۔ پیڑ بہتے بہتے دریا میں ایسی جگہ جا کر رُک گیا جہاں پانی کم تھا ۔ اس جگہ کچھ دِنوں کے بعد کنول کے پھول کِھل گئے ۔

کچھ دنوں کے بعد اسی راستے سے سوداگر اپنے گھر واپس آرہا تھا ۔ وہاں پہنچ کر کنول کے پھول کی خوب صورتی دیکھ کر وہ رُک گیا ۔ اس نے سوچا کیوں نہ اپنی بیٹی کے لیے کچھ کنول کے پھول توڑ لوں ۔ اس نے جیسے ہی ہاتھ بڑھایا کنول کے پھول سے آواز آئی:

نا میرے بابا ہاتھ لگاؤ
نا تم مجھ کو توڑو
سوتیلی ماں نے کچل کے مارا
میں ہوں آپ کی بیٹی بیلا

یہ سُن کر سوداگر بہت حیران ہوا اور کنول کی بات کی سچائی جاننے کے لیے اپنے منھ سے ایک ڈلی کا ٹکڑا نکال کر اپنی بائیں ہتھیلی پر رکھا اور ایک لڈّو دائیں ہتھیلی پر رکھا اور بولا:

"اگر تم واقعی میری لڑکی ہو تو مینا کی شکل میں آ کر میری بائیں ہتھیلی پر رکھی ہوئی ڈلی کھا لو ۔

اور اگر کوئی دوسری لڑکی ہو تو لڈو کھا لو۔"

سوداگر کی بات سنتے ہی کنول کے پھول نے مینا کی شکل اختیار کر لی اور سوداگر کی ہتھیلی پر رکھی ہوئی ڈلی کھا گئی۔ سوداگر کو یقین ہو گیا کہ یہ میری بیٹی بیلا ہے۔ اس نے بازار میں جا کر ایک پنجرہ خریدا اور اس میں مینا کو رکھ کر گھر پہنچا۔ بیوی سے پوچھا، "میری لڑکی بیلا کہاں ہے؟"

بیوی نے جواب دیا:

"وہ اپنی خالہ کے ہاں گئی ہے۔"

لیکن اس نے اپنی بیوی کو ڈرا دھمکا کر یہ قبول کرا لیا کہ اس نے بیلا کا قتل کر دیا ہے۔ پھر اس نے اپنا تولیا پنجرے پر ڈال کر کہا:

"اگر تم میری لڑکی ہو اور مجھے بہت چاہتی ہو تو تولیا لپیٹ کر میری لڑکی کی شکل میں میرے پاس آ جاؤ۔"

مینا فوراً تولیا لپیٹے ہوئے بیلا کی شکل میں اپنے باپ کے پاس آ گئی۔ سوداگر نے لڑکی کو گلے لگا لیا اور اپنی بے رحم بیوی کو ہمیشہ کے لیے گھر سے نکال دیا۔

قیمت میں اضافہ

آپ کو معلوم ہے کہ ہمدرد نونہال بچّوں کا سب سے مقبول رسالہ ہونے کے علاوہ سب سے کم قیمت رسالہ بھی ہے اور اس کی قیمت اس لیے کم رکھی گئی ہے کہ یہ زیادہ سے زیادہ بچّوں تک پہنچ سکے اور وہ اس سے لُطف اور فائدہ حاصل کر سکیں، لیکن آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ مہنگائی بڑھتی جا رہی ہے۔ ہر چیز کی قیمتیں بڑھ گئی ہیں، اس لیے ہمدرد نونہال کی قیمت میں ہمیں مجبوراً اضافہ کرنا پڑ رہا ہے۔ جنوری ۱۹۸۵ء سے ہمدرد نونہال کے ایک شمارے کی قیمت چار رُپے ہو گی۔ سالانہ قیمت پینتالیس (۴۵) رُپے ہو گی۔ جو لوگ رجسٹری سے رسالہ منگوانا چاہتے ہیں اُن کو تین رُپے ماہانہ کے حساب سے مزید ۳۶ رُپے بھجوانے ہوں گے، یعنی سال کے لیے اُن کو کُل اکیاسی (۸۱) رُپے ادا کرنے ہوں گے۔

آپ کو یاد ہو گا کہ یہ اضافہ ہم چار سال کے بعد کر رہے ہیں، اس عرصے میں بعض دوسرے رسالوں کی قیمتیں ایک سے زیادہ مرتبہ بڑھ چکی ہیں، اس لیے ہمیں اُمید ہے کہ ہمارے قارئین اس اضافے کو خوشی سے قبول کر کے ہمیں رسالے کو اور زیادہ اچھا بنانے میں مدد کریں گے۔

ننھے مُنّے ٹِلّم جی
پڑھتے ہیں جو اے بی سی

پیاری پیاری صورت ہے
گویا چاند سی مورت ہے

لکھتے ہیں وہ تختی بھی
اور گنتے ہیں وہ گنتی

چوہے سے ڈر جاتے ہیں
بزدل یوں کہلاتے ہیں

اِک دن بولے امّی سے
ٹیڈی سُوٹ سِلا دیجیے

پیار سے امّی نے یہ کہا
کام نہ ہرگز یہ کرنا

اچھی باتیں اپناؤ
اچھے بیٹے بن جاؤ

اللہ تم سے خوش ہو گا
جس نے سب کچھ ہم کو دیا

ٹِلم جی یہ مان گئے
یوں خود کو پہچان گئے

سانس کا مرض

س : دمے کا مرض کیسے ہو جاتا ہے، اس مرض میں کیا احتیاطیں ضروری ہیں؟ اس کا علاج کیا ہے؟
محمد طارق اسمٰعیل، بہاول نگر

ج : ہماری ناک ہے۔ اس ناک کے بعد وہ ہوائی (سانس لینے والی) نلکیاں ہیں جو آگے جا کر ہمارے پھیپڑوں میں پھیل جاتی ہیں اور ہوا (اوکسی جن) کو وہاں تک پہنچاتی ہیں کہ ان سے خون اوکسی جن کو جذب کرے اور خون کو صاف کر دے۔ ان ہوائی (سانس لینے کی) نالیوں میں ورم آجاتا ہے اور وہ تنگ ہو جاتی ہیں۔ جب یہ تنگ ہو جاتی ہیں تو ہوا (اوکسی جن) کم اندر جاتی ہے جب کہ پھیپڑوں کو ہوا کی ضرورت زیادہ ہوتی ہے۔ ہوا کم ہونے کی وجہ سے پھیپڑے بھی پوری طرح نہیں پھیلتے اور آدمی زور لگاتا ہے تاکہ پھیپڑے پوری طرح پھیل جائیں۔ اسی کیفیت کا نام دمہ ہے۔ اکثر و بیش تر حالات میں نزلہ زکام کا بار بار ہونا اس تنگی کا سبب ہوتا ہے۔ دمے کا علاج واقعی مشکل ہوتا ہے۔ ہمارے پاکستان میں اللہ تعالیٰ نے ایک دمہ بوٹی (افیڈرا) خوب پیدا کی ہے۔ اس سے سانس کی نالیاں پھیل جاتی ہیں اور عارضی طور پر دمے کی کیفیت ختم ہو جاتی ہے۔ دنیا بھر میں اسی دوا سے دمے کی تکلیف کو کم کرنے کا کام لیا جاتا ہے۔

رخساروں پر دانے

س : عمر ۱۸ سال، چہرے اور رخساروں پر پانچ سال سے دانے یا پھنسی نکل رہے ہیں۔ دانے چند دن کے بعد ختم ہو جاتے ہیں، البتہ کالے داغ چھوڑ جاتے ہیں، دانوں کا رنگ سفید ہے۔ کوئی

ایسا علاج بتائیے کہ دانے ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائیں۔ س۔م، ٹنڈو آدم۔ سید محمد شفیع، کوئٹہ۔ تسنیم افشاں، واہ کینٹ

ج: بچپن جب ختم ہوتا ہے اور بچیاں اور بچّے جب بلوغت میں قدم رکھتے ہیں تو ان کے جسم میں بڑی تبدیلیاں آتی ہیں۔ ظاہر بھی اور باطن بھی۔ ان کے جسم کے بعض حصّے عمل کے لیے بیدار ہوتے ہیں اور اس بیداری کے نتیجے میں خون میں حِدت (گرمی) اور ولولہ تازہ شریک ہوتا ہے، جو چہرے پر سب سے پہلے نمایاں ہوتا ہے۔

یہ دانے اور مہاسے بلوغت کی آواز ہوتے ہیں اور اس کا تقاضا کرتے ہیں کہ اب ان کو زندگی میں اعتدال اختیار کرنا چاہیے۔ غذائیں ایسی ہوں کہ اُن میں گوشت کم سے کم اور سبزیاں زیادہ سے زیادہ ہوں۔ مرچ مسالے کم ہوں۔ دودھ دہی زیادہ ہو۔ مہاسوں کیلوں پر دہی کی بالائی لگانا مفید ہوتا ہے۔ رات کو ۱۲ گرام گلقند کھانا بھی فائدہ مند ہوتا ہے۔

پیٹ بڑھ گیا ہے

س: میری عمر ۱۳ سال ہے اور میرا پیٹ بہت بڑا ہے۔ بہت سے ڈاکٹروں کو دکھایا، مگر کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ اس کے لیے کوئی مفید علاج تجویز فرمائیں۔ فہمیدہ مظہر، کراچی

ج: پیٹ کا بڑھ جانا اگر کسی مرض (مثلاً طحال یعنی تلّی بڑھ جانا، جگر کا بڑھ جانا یا پیٹ میں پانی پڑ جانا یعنی استسقا) کی وجہ سے نہیں ہے تو یقیناً یہ غذائی بے اعتدالی کا نتیجہ ہے یعنی آپ ضرورت سے زیادہ کھا رہی ہیں اور ایسی غذائیں کھا رہی ہیں جن میں گھی تیل زیادہ ہے۔ غذا سادہ کر دیجیے۔ دو وقت کے بجائے ایک وقت کھائیے اور اسکول میں کسی بھاگ دوڑ کے کھیل میں حصّہ لیجیے۔ دواؤں میں جوارش کمونی ٦-٦ گرام دونوں وقت کھانا کھانے کے بعد کافی دِنوں تک کھائیے۔

دل دھڑکتا ہے

س: میری عمر پندرہ سال ہے۔ میں جب چڑھائی چڑھتا ہوں تو میرا دل بڑی طرح دھڑکتا ہے اور جسم پسینے سے تر ہو جاتا ہے؟ ازراہِ کرم کوئی علاج بتائیے؟

نور عالم، بالاکوٹ بیلہ

ج: دل تو ضرور دھڑکے گا! اس کا تو کام ہی دھڑکنا ہے اور دھڑک کر زندگی کو قائم رکھنا

ہے۔ اگر کوئی غیر معمولی بات ہے تو پھر واقعی توجہ کرنی چاہیے۔ مجھے تو یہ ڈر لگ رہا ہے کہ آپ کو شاید موتی جھرا (ٹائی فائڈ) ہوا ہے۔ اِس میں احتیاط نہیں ہوئی ہے اور دِل پر اثر ہوا ہے۔ پیارے نورعالم آپ کو چاہیے کہ کسی ماہرِ قلب سے مشورہ لیں اور اُن کی ہدایات پر عمل کریں۔

چہرے پر داغ

س: میرے چہرے اور گدّی کے نیچے سفید داغ ہیں۔ والد صاحب اور میرے دوست کہتے ہیں کہ یہ داغ مچھلی کھانے کے بعد دودھ پینے سے ہوئے ہیں۔ مہربانی کر کے اس کا علاج بتائیں۔ اشفاق احمد، کراچی

ج: بغیر دیکھے اندازہ لگانا مشکل ہے کہ صورتِ حال کیا ہے۔ والد صاحب محترم ضرور صحیح فرماتے ہوں گے۔ یہ مرض "برص" ہو سکتا ہے۔ میری رائے پھر بھی یہ ہے کہ آپ کراچی میں کسی اچھے معالج سے مشورہ کر لیں۔ اس مرض کے علاج کے لیے بڑی توجہ اور صبر کی ضرورت ہے۔

مسوڑوں میں خون آتا ہے

س: میرے والد کے مسوڑوں میں بہت درد رہتا ہے۔ خون بھی آتا ہے، جس کی وجہ سے دانتوں میں بہت تکلیف رہتی ہے۔ براہِ کرم کوئی علاج بتائیے۔ شیر اکبر افغانی، کراچی

ج: آپ نے محترم والد صاحب کی عمر نہیں لکھی۔ شاید عمر زیادہ ہے اور مسوڑھے کم زور ہو گئے ہیں اور دانتوں نے جگہ چھوڑ دی ہے۔ ممکن ہے کہ اب ان دانتوں کو نہ بچایا جا سکے۔ ویسے کوشش ضرور کرنی چاہیے۔ ایک تو یہ کہ نیم کے تازہ پتّے لیں، ان کو پانی میں جوش دیں اور روزانہ صبح شب اس نیم گرم پانی سے کُلّیاں کریں۔ والد صاحب کو گائے کا گوشت اب نہیں کھانا چاہیے۔ ان کو وٹامن سی (حیاتین ج) کی ضرورت ہے۔ پانچ سو ملی گرام کا ایک قرص روزانہ مہینوں کھانا چاہیے۔ اس کے باوجود زیادہ اچھا یہی ہے کہ دانتوں کے ماہر سے مشورہ کر لیا جائے۔ اگر ان کا مشورہ دانت نکال دینے کا ہو تو ان کی بات مان لینی چاہیے۔

چیچک کی بیماری

س: چیچک کی بیماری کیا ہے اور اس کا علاج کیا ہے؟ تفصیلاً بتا کر شکریے کا موقع دیجیے۔
ثمینہ علی بہادر، کراچی

ج : چیچک کا مرض اب پاکستان میں ختم ہو چکا ہے۔ اس لیے اب اس کو بھول جانا چاہیے۔ اس مرض نے صدیوں انسان کو زیر رکھا ہے اور اَن گنت لوگ اس کے عذاب میں مبتلا ہوئے ہیں۔ اس مرض کے خلاف سب سے پہلے حکیم زکریا الرازی نے ٹیکے کا تصوّر دیا جسے بعد میں جینر نے آگے بڑھایا اور چیچک کا ٹیکا ایجاد کیا۔ اس کی مدد سے، نیز حفظِ صحت کے جدید اصولوں کی مدد سے اب دنیا سے اس مرض کا خاتمہ کر دیا گیا ہے۔ اس مہم میں عالمی ادارۂ صحت کا کردار قابلِ تعریف ہے اور موجودہ صدی کا یہ عظیم کارنامہ ہے۔

دانتوں سے ہونٹ کاٹنے کی عادت

س : میری سہیلی کو ہر وقت دانتوں سے ہونٹ کاٹنے کی عادت ہے۔ یہ عادت ہر جگہ، کلاس رُوم میں، بس میں، حتیٰ کہ کسی سے باتیں کرتے وقت بھی برقرار رہتی ہے، جس کی وجہ سے اُس کے سرخ سرخ ہونٹ مزید سرخ اور کٹے پھٹے ہو جاتے ہیں۔ میں اُسے ہر لمحے ٹوکتی رہتی ہوں، لیکن اس کی یہ عادت نہیں جاتی۔ برائے مہربانی بتایئے کہ وہ ایسا کیوں کرتی ہے اور اس کا علاج کیا ہے؟ رفعت جہاں آرا، اسلام آباد

ج : سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ اُن محترمہ سہیلی صاحبہ کو اس پر غور کرنا چاہیے کہ اگر اُن کے ہونٹ ایسے زخمی ہو گئے کہ اُن کی مرمت نہ ہو سکے تو پھر کیا ہو گا۔ ایسا لگتا ہے کہ ان کو کوئی بات پسند نہیں ہے۔ ان کے دماغ پر کوئی دباؤ ہے۔ ان کے دِل میں کسی کے خلاف کوئی رنجش بھی ہو سکتی ہے۔ ایسی صورتوں میں پریشانی کا مُظاہرہ ہونٹ کاٹنے سے ہوتا ہے۔

ٹوہ لگا کر اور پوچھ کر اُن کی ذہنی تکلیف کو رفع کرنا چاہیے۔ بی سہیلی صاحبہ سے ایک بات اور کہہ دیجیے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو جو کچھ دیا ہے اُس پر قناعت کریں اور اگر کوئی کمی ہے تو اپنے علم میں اضافہ کر کے اس کا بدل کریں۔

مسام کھلنے کی وجہ

س : میری عمر ۱۵ سال ہے۔ میرے چہرے کے مسام آہستہ آہستہ کُھل رہے ہیں۔ اس کے لیے کوئی نسخہ تجویز کریں اور یہ بھی بتائیں کہ مسام کھلنے کی وجہ کیا ہے؟ رضیہ، کراچی

ج : آپ کا سوال میری سمجھ میں نہیں آیا ہے۔ نہ جانے آپ کو کیا تکلیف ہے۔

"کریمو، تم نوکری کیوں چھوڑ رہے ہو؟ مجھے تو تم پر اتنا بھروسا تھا کہ جب بھی کہیں جاتا تھا تو تمام چابیاں تمھارے حوالے کرتا تھا۔"

"صاحب جی مہربانی! مگر ان چابیوں میں تجوری کی چابی کبھی نہیں ہوتی۔"

اخبارِ نونہال
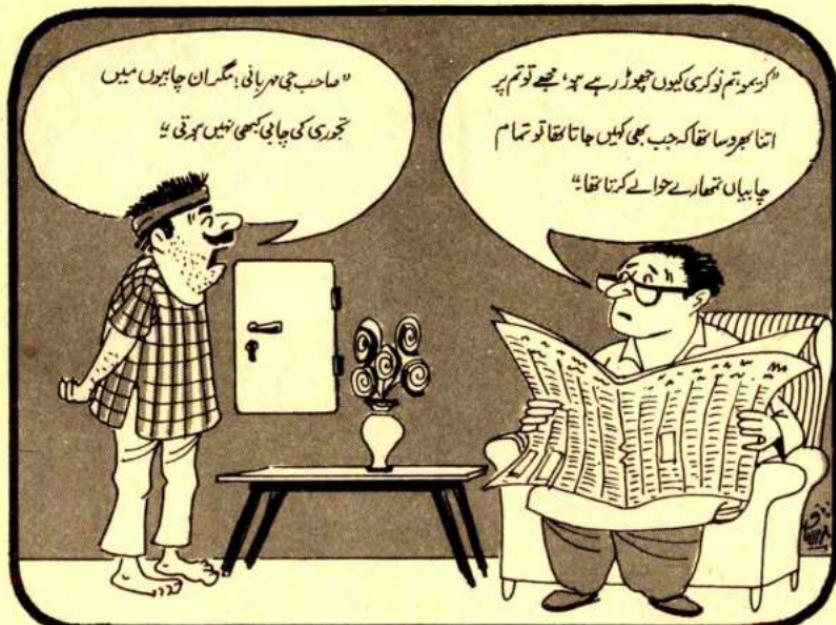
سائکل پر طویل سفر

چین کے ایک گریجو یٹ ۲۵ سالہ مسٹر وانگ کا تبادلہ تبت میں کر دیا گیا۔ تبادلے کا حکم ملتے ہی اس نوجوان نے اپنی سائکل سنبھال لی اور ملازمت کے نئے مقام تبت کی طرف روانہ ہو گیا جو چھے ہزار دو سو میل کے فاصلے پر تھا۔ یہ طویل فاصلہ اس نے بیاسی دن میں اپنی سائکل پر طے کیا۔

مرسلہ: امداد علی دالیو، روہڑی

دنیا میں سب سے زیادہ سفر کرنے والا شخص

امریکا کا ایک اسکول ٹیچر جیسی ہارٹ روز ڈِیل دنیا میں سب سے زیادہ سفر کرنے والا شخص تھا۔ اُس نے شمالی کوریا اور انٹارٹکا میں فرانسیسی مقبوضات کے سوا دنیا کے ۲۱۵ ملکوں کا سفر کیا۔ اگر اس کے سفر کی تمام مسافت کا میزان لگایا جائے تو وہ ۶۰۵، ۶۲۶، ۱ میل (یا ۶۶، ۷، ۶۱۷، ۲ کیلو میٹر) بنتی ہے۔ روز ڈیل ۱۹۱۴ء میں پیدا ہوا تھا۔ ۱۹۷۷ء میں دنیا سے رخصت ہوا۔

مرسلہ: عقیل احمد، ماڈل کالونی

یکم ستمبر اور زلزلے

جاپان کے دو شہروں ٹوکیو اور یوکوہاما میں ایک ہی تاریخ "یکم ستمبر" کو کئی مرتبہ ہولناک زلزلے آچکے ہیں۔ جاپان کی تاریخ میں اسی حوالے سے یکم ستمبر کو منحوس تصور کیا جاتا ہے۔ ان شہروں میں

پہلا زلزلہ یکم ستمبر ۲۷ء کو، دوسرا یکم ستمبر ۸۵۹ء کو، تیسرا یکم ستمبر ۸۶۷ء کو، چوتھا یکم ستمبر ۱۱۸۵ء کو، پانچواں یکم ستمبر ۱۶۴۹ء کو، چھٹا اور ساتواں تباہ کن زلزلہ یکم ستمبر ۱۹۲۳ء کو آیا۔ اس میں ۱۴۳۶۶۰ افراد ہلاک ہوئے تھے اور دونوں شہر بالکل اُجڑ گئے تھے۔ مرسلہ: محمد ساجد، ملک وال

مردہ بندر زندہ ہو کر پھر مر گیا

روس میں ایک مرے ہوئے بندر کو دوبارہ زندہ کر لیا گیا۔ ہوا یوں کہ ایک بندر سے تمام خون سوئی کے ذریعہ سے نکال لیا گیا، جس سے وہ مُر گیا۔ چند گھنٹوں کے بعد وہی خون اس میں دوبارہ داخل کر کے مشین کے ذریعہ سے اس کے دل کو چلایا گیا۔ تھوڑی دیر بعد بندر زندہ ہو گیا، لیکن پچاس منٹ بعد دوبارہ مُر گیا۔ مرسلہ: طیب رضوان، لاہور

نکلا چوہا.....

کویت ایئر لائنز کے ایک جمبو ۷۴۷ طیارے کے انجن روم میں سفر کی کوشش کرنے والے ایک چوہے کو طیارے سے اُترنا پڑا۔ یہ طیارہ اچانک اپنی میڈرڈ کی پرواز منسوخ کر کے ہوائی اڈے پر لوٹ آیا۔ ہوا باز کو شک تھا کہ طیارے کے انجن میں کوئی گڑبڑ ہے۔ جب عام جانچ پڑتال سے اس گڑبڑ کا پتا نہ چل سکا تو بیرونِ ملک سے ایک ماہر کو بلوایا گیا۔ جس کی آمد پر تقریباً ۲۵۰۰۰ ڈالر خرچ ہوئے۔ اس ماہر نے جب جانچ پڑتال کی تو انجن سے ایک چوہا نکلا۔ جو کسی طرح انجن میں داخل ہو گیا تھا۔ جب اس بن بلائے مہمان کو بھگا دیا گیا تو طیارہ دوبارہ اپنی منزل کی جانب پرواز کر گیا۔ مرسلہ: سید اظفر حسن جعفری، علی پور

انسانی شکل کی مکڑی

ملیر ہالٹ کے محلہ "سلمان فارسی" میں ایک ایسی مکڑی دریافت ہوئی ہے جس کا چہرہ انسان کی طرح لگتا ہے اور دیکھنے کے بعد ایسا لگتا ہے جیسے کسی قدیم مجسمے کا کمال مہارت سے چہرہ تراشا گیا ہو۔ اسے دو نوجوانوں اسمٰعیل اور فاروق نے مُردہ حالت میں پکڑا ہے۔ انسانی چہرے والی یہ مکڑی سبز رنگ کی ہے۔ مرسلہ: سید عمران حسین، کراچی

افق دہلوی

ڈاکیا جس دم گھر آتا ہے ڈاک ہماری بھی لاتا ہے
کالے جوتے خاکی وردی سَر پر مٹیالی سی پگڑی
کاندھے پر ہوتا ہے تھیلا ہاتھ میں اِک بنڈل سا خطوں کا
جس گھر کا بھی خط آتا ہے اُس گھر پر ہی پہنچاتا ہے
ڈاک بھی یہ گاؤں میں بانٹے خط بھی اُن لوگوں کے لکھے
آندھی ہو یا بارش آئے لیکن فرض یہ بجا لائے
پارسل، رُپیہ، پیسہ بھی وقت پہ پہنچاتا ہے سب ہی
تار خوشی کے ہوں کہ غمی کے پہنچا دیتا ہے یہ سب کے
وقت ہے کم اور کام زیادہ کرتا نہیں آرام زیادہ
میلوں کوسوں یہ چلتا ہے گاؤں گاؤں یہ پھرتا ہے
اس کی عزت سب کرتے ہیں اس سے الفت سب کرتے ہیں

خوب اُفق ہے ہمّت والا
خدمت کا ہے کام سنبھالا

پیارے بچو! جاگو جگاؤ، علم حاصل کرو اور علم کی شمع ہاتھ میں لے کر دوسروں تک علم کی روشنی پہنچاؤ۔ علم حاصل کرنا اور دوسروں تک علم کی روشنی پہنچانا بڑا مقدس فریضہ ہے۔

حکیم محمد سعید

س : جسم کی ہر چیز دماغ کے زیرِ اثر کام کرتی ہے، لیکن دماغ کس چیز کے زیرِ اثر کام کرتا ہے؟

ظہیر حسن، لاہور

ج : دماغ اچھی صحت کے زیرِ اثر کام کرتا ہے۔ اگر ہماری جسمانی صحت ٹھیک ہے اور دماغ تک صاف خون پوری مقدار میں پہنچ رہا ہے تو ہمارا دماغ صحیح کام کرے گا اور ہمارے ہوش و حواس درست رہیں گے، لیکن اگر کوئی خرابی پیدا ہو جائے یا چوٹ لگ جائے تو دماغ صحیح طور پر سوچنے سمجھنے کے قابل نہیں رہتا۔ چناں چہ آپ نے دیکھا ہو گا کہ پاگل انسان کا جسم تو اچھا خاصا مضبوط ہوتا ہے، لیکن دماغ صحیح کام نہیں کرتا۔ اس لیے وہ ہر کام غلط کرتا ہے۔

س : کیا شیشہ ایک دھات ہے؟ نیز ہم اس کے پار کیسے دیکھ سکتے ہیں؟ ظہیر حسن، لاہور

ج : شیشہ دھات نہیں ہے، بلکہ ریت اور مٹی سے ایسے شفاف اجزا حاصل کیے جاتے ہیں جن کے آر پار دیکھا جا سکتا ہے۔ یہ ایک صنعت ہے۔

س : زمین پر زلزلے آنے کی کیا وجوہ ہیں؟ حیدر علی اکبر علی، کراچی

ج : ہماری زمین اندر سے ابھی تک دہکتے ہوئے مادّے سے بھری ہوئی ہے، جسے لاوا کہتے ہیں۔ اس کے اندر جوش اور تلاطم بھی جاری رہتا ہے۔ کبھی کبھی یہ لاوا کسی پہاڑ کے دہانے یا زمین کی بیرونی پرت کو توڑ کر زور سے باہر نکل آتا ہے۔ اُس وقت زمین میں ہل چل پیدا ہوتی ہے اور وہ

گویا لرزنے لگتی ہے۔ اسی کو زلزلہ کہتے ہیں۔

س: سردی کے موسم میں زیادہ دیر دھوپ میں بیٹھنے کے بعد جب کمرے میں جاتے ہیں تو ہر چیز دھندلی اور اندھیری کیوں نظر آتی ہے؟ سعید صدیقی لاہور

ج: دھوپ میں بیٹھنے کی وجہ سے اور شعاعوں کی تیزی کی وجہ سے ہماری آنکھوں کی پُتلیاں سُکڑ جاتی ہیں۔ جب ہم اسی حالت میں کسی اندھیرے کمرے میں جاتے ہیں تو ہماری آنکھیں فوراً اپنی اصلی حالت پر واپس نہیں آجاتیں۔ پُتلیوں کو پھیلنے میں کچھ وقت لگتا ہے۔ اس لیے ہر چیز دھندلی نظر آتی ہے۔

س: پاکستان اسٹینڈرڈ ٹائم کا کیا مطلب ہے؟ عالیہ لطیف آرائیں، سکھر

ج: چوں کہ زمین گول ہے اور مغرب سے مشرق کی طرف گھومتی ہے اس لیے کہیں دن ہوتا ہے تو کہیں رات، کہیں صبح ہوتی ہے تو کہیں شام۔ اسی وجہ سے ہر جگہ کا وقت بھی مختلف ہوتا ہے۔ اگر ملک وسیع ہے تو ہر جگہ کا وقت مختلف ہوگا، لیکن اگر یہ بات مان لی جائے تو ظاہر ہے کہ بڑی دِقّت ہوگی۔ پشاور والوں کی گھڑی کچھ بجا رہی ہوگی، لاہور والوں کی کچھ اور کراچی والوں کی کچھ اور۔ اِس دِقّت کو دُور کرنے کے لیے پورے ملک کے لیے ایک وقت مان لیا جاتا ہے اور سب کی گھڑیاں اُسی وقت پر چلتی ہیں۔ یہ وقت اُس ملک کا معیاری وقت یا اسٹینڈرڈ ٹائم کہلاتا ہے۔

س: نظامِ شمسی کس طرح وجود میں آیا؟ اشتیاق احمد، کراچی

ج: اس سوال کا جواب کافی بڑا ہے اور نظامِ شمسی کی پیدائش کے متعلق مختلف نظریات مشہور ہیں، لیکن سب سے عام نظریہ یہ ہے کہ اب سے اربوں برس پہلے کوئی آوارہ ستارہ ہمارے سورج (جو خود بھی ایک ستارہ ہے) کے اتنے قریب سے گزر گیا کہ باہمی کشش کی وجہ سے سورج کے جسم سے کچھ مادّہ الگ ہو گیا اور چھوٹے بڑے قطروں میں فضا میں دُور تک پھیل گیا۔ یہ قطرے ہی وہ کُرے ہیں جو نظامِ شمسی کے سیّارے کہلاتے ہیں اور جن میں ہماری زمین بھی شامل ہے۔ وہ رفتہ رفتہ ٹھنڈی ہوئی اور اس پر زندگی ظاہر ہوئی۔ دوسرے کُروں کے متعلق ہم یقین سے نہیں کہہ سکتے کہ

وہاں کسی قسم کی حیات موجود ہے یا نہیں۔

س : امریکا اور روس کروڑوں ڈالر خرچ کر کے خلائی تجربات کر رہے ہیں۔ اس سے انھیں کیا فائدہ ہو گا؟ کوئی دوسرا مفید کام انجام کیوں نہیں دیتے؟ مفید کام سے مُراد کینسر (سرطان) کا علاج، توانائی کے ذرائع اور غذا کی تلاش ہے۔

عبدالرشید اسماعیل، کراچی

ج : آپ کا خیال درست ہے کہ زمین پر انسان کی فلاح اور بہتر رہن سہن کے راستے میں کتنی ہی مشکلات حائل ہیں۔ مفلسی ہے، غربت ہے، جہالت ہے اور طرح طرح کے مسائل ہیں۔ ضرورت ہے کہ پہلے انھیں حل کیا جائے، لیکن امریکا اور روس غالباً یہ جواب دیں گے کہ ہم ان مسائل کی طرف بھی توجہ دے رہے ہیں۔ کینسر پر برابر ریسرچ ہو رہی ہے۔ اسی طرح غربت، بیماری اور افلاس کو دُور کرنے کی کوشش بھی ہو رہی ہے۔ ساتھ ہی انسان قدرت کے عظیم چیلنج بھی قبول کرتا جاتا ہے۔ سب جانتے تھے کہ ماؤنٹ ایورسٹ پر جا کر برف کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آئے گا، پھر بھی انسان نے قدرت کا یہ چیلنج قبول کیا اور اُسے فتح کر کے چھوڑا، اسی طرح وہ سمندروں کی گہرائیوں میں اُتر رہا ہے، پھر خلا بھی ایک عظیم چیلنج ہے۔ اُس کی تسخیر کا لطف ہی الگ ہے۔ انسان دوسرے جہانوں میں اُتر کر یہ دیکھنا چاہتا ہے وہاں کسی قسم کی حیات موجود ہے یا نہیں۔ خلائی تجربہ گاہوں سے زمین پر انسان کو کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ شاید مستقبل کی جنگوں میں بھی خلا اور خلائی رصد گاہیں استعمال کی جائیں۔ یوں بھی امریکا اور روس ہر بات میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان میں مقابلہ ہے۔

س : لیکٹو میٹر کون سا آلہ ہے اور اس سے کیا ناپتے ہیں؟

اورنگ زیب علی پاشا، کراچی

ج : جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے لیکٹو میٹر سے دودھ کی کثافت ناپ کر دودھ کے خالص یا غیر خالص ہونے کا پتا لگایا جاتا ہے۔ اس سے دودھ میں پانی وغیرہ کی ملاوٹ معلوم ہو جاتی ہے۔

س : لیزر (LASER) شعاعیں کیا ہیں اور ان سے کیا کیا کام لیے جاتے ہیں؟

فضل ربّی راہی، مینگورہ سوات

ج : بعض شعاعیں ایسی ہوتی ہیں کہ وہ ہمیں نظر تو نہیں آتیں، لیکن وہ نہایت قوی ہوتی ہیں مثلاً ایکس ریز، ایلفا، بیٹا اور گاما شعاعیں۔ لیزر شعاعیں بھی نہایت قوی اور تیز رفتار شعاعیں ہوتی ہیں۔ چاند تک جانا اور اُس سے ٹکرا کر واپس آجانا اُن کے لیے معمولی بات ہے۔ دھاتوں کی تحقیقات میں وہ بہت مفید ثابت ہوتی ہیں۔ ان کی دھار اتنی باریک ہوتی ہے کہ آنکھ کا اندرونی نقص دُور کرنے کے لیے انھیں کامیابی سے استعمال کیا جاچکا ہے۔ سُنا ہے اب دل کے اندرونی نقائص دُور کرنے کے لیے انھیں استعمال کیا جائے گا اور سینہ کھولنے یا چیر پھاڑ کی ضرورت نہیں رہے گی۔

س : وڈیو گیمز کے کیا کیا فوائد اور نقصانات ہوتے ہیں؟ میں نے سُنا ہے کہ زیادہ وڈیو گیمز کھیلنے سے انسان کا دِل کم زور ہو جاتا ہے۔

فیصل نعمان، کراچی

ج : وڈیو گیمز کا فائدہ اس کے سوا تو کچھ نظر نہیں آتا کہ وہ بند کمرے کی ایک تفریح ہے جہاں آپ اپنا وقت گزار سکتے ہیں، لیکن شام کا وقت میدان میں کھیلنے اور جسمانی تربیت کے لیے زیادہ مفید ثابت ہو سکتا ہے۔ جہاں تک اس کے نقصانات کا تعلق ہے، آپ سمجھ سکتے ہیں کہ زیادتی ہر چیز کی بڑی ہوتی ہے۔ اس سے وقت ضائع ہوتا ہے، آنکھوں پر بُرا اثر پڑتا ہے اور پیسہ بھی ضائع ہوتا ہے، لیکن یہ خیال درست نہیں معلوم ہوتا کہ اس سے دِل کم زور ہو جاتا ہے۔

س : برق پاشی کا عمل صرف اور صرف مائع اجسام میں کیوں کر ہوتا ہے؟ کیا یہ ٹھوس اشیا میں وقوع پذیر نہیں ہو سکتا؟

لبنیٰ اعجاز، کراچی

ج : آپ کا سوال کچھ واضح نہیں۔ برقی رو گزارنے کے لیے مائع تو اِس لیے استعمال کیے جاتے ہیں کہ وہ کرنٹ کے بہتر کنڈکٹر یا موصل ہوتے ہیں۔ کرنٹ ٹھوس موصل اشیا میں سے بھی گزر جاتی ہے۔ مائع کی مدد سے کسی ٹھوس چیز پر ملمع کرنا زیادہ آسان رہتا ہے۔

انگریز کو چرواہے کی بات ماننی پڑی

مناظر صدیقی

گوما ایک چرواہا تھا۔ ہندستان کے شہر شملہ کے قریب ایک چھوٹے سے گاؤں میں اپنے دادا کے ساتھ رہتا تھا۔ ابھی اس کی عمر زیادہ نہیں تھی۔ بس ۱۳ یا ۱۴ سال ہو گی۔ شملہ کے چاروں طرف بڑے اونچے اونچے پہاڑ ہیں۔ گوما اپنی بکریاں لیے انھی پہاڑوں میں گھومتا رہتا۔ اس نے ان پہاڑوں کے سوا کچھ نہ دیکھا تھا۔ یہاں تک کہ اُس نے شملہ شہر بھی نہیں دیکھا تھا۔ حال آنکہ یہ شہر اُس کے گاؤں سے زیادہ دُور نہیں تھا۔ ہاں اُسے پہاڑوں کے بارے میں بہت کچھ معلوم تھا۔ کبھی کبھی وہ سوچتا کہ ان پہاڑوں کے علاوہ بھی دنیا میں بہت کچھ ہو گا۔ اُسے یہ سب چیزیں دیکھنی چاہییں، لیکن بے چارے گوما کو اپنی بکریاں چرانے سے ہی فرصت نہیں ملتی تھی۔ اُس نے اپنی زندگی میں صرف دو بار گوروں کو دیکھا تھا۔ اُس وقت ہندستان پر انھی گوروں کی حکومت تھی۔ غریب دیہاتی گوروں کو دُور سے دیکھ کر ہی راستہ چھوڑ دیتے تھے۔ وہ گوروں سے بہت ڈرتے تھے۔ گوما نے بھی جب اپنے گاؤں کے بالکل قریب بہنے والے ایک پہاڑی نالے کے کنارے گوروں کو دیکھا تو اُس کا جی چاہا کہ وہ انھیں قریب سے دیکھے، لیکن ڈرتا تھا کہ کہیں گورے ناراض نہ ہو جائیں۔ اس کے دادا نے اُسے یہی بتایا تھا کہ گورے بڑی جلد ناراض ہو جاتے ہیں۔ اسی لیے وہ خواہش کے باوجود ان گوروں کے قریب نہیں گیا۔ حال آنکہ ان میں مرد بھی تھے اور عورتیں بھی۔ دو تین گوما کی عمر کے لڑکے بھی تھے۔ یہ سب آپس میں ہنسی مذاق کرتے ہوئے نالے کے کنارے ٹہل رہے تھے۔ گوما کو دُور سے ان کی آواز سنائی نہیں دی، لیکن وہ سب لوگ جس قسم کی حرکتیں کر رہے تھے اُس سے گوما نے یہی سمجھا کہ وہ لوگ آپس میں ہنسی مذاق کر رہے ہیں۔ گوما بے چارہ سوچتا ہی رہ گیا کہ وہ لوگ اس کے قریب سے گزریں تو وہ بھی اُنھیں دیکھے، لیکن دونوں بار یہ گورے تھوڑی دیر پہاڑی نالے کے کنارے ٹہلنے کے

بعد اپنے اپنے گھوڑوں پر سوار ہو کر شملے کی طرف چلے گئے۔

ایک رات گوما اپنی جھونپڑی کے باہر بیٹھا تھا۔ اس کا دادا جھونپڑی کے اندر سو رہا تھا۔ اچانک اُسے گھوڑے کے ٹاپوں کی آواز سنائی دی۔ گوما اپنی جگہ سے اُٹھ کر میدان میں آ گیا۔ اس کا دل دھڑک رہا تھا کہ رات کے وقت اس علاقے میں گھوڑے کے ٹاپوں کی آواز کیوں سُنائی دے رہی ہے۔ اس سے پہلے تو کوئی سوار رات کے وقت اس کے گاؤں میں نہیں آیا۔ کیا آج کوئی انوکھی بات ہونے والی ہے۔ تھوڑی دیر بعد ہی ایک سوار اس کے قریب آ کر رُک گیا۔ دیکھنے میں تو یہ سوار کوئی فوجی گورا معلوم ہوتا تھا، لیکن اس نے فوجی وردی کے بجائے عام سے کپڑے پہن رکھے تھے، جیسے گوما نے نالے کے قریب ٹہلنے والے گوروں کو پہنے دیکھے تھے۔

"اے لڑکے! کیا تم یہیں رہتے ہو؟" گورے سوار نے گوما سے پوچھا۔ گوما نے دونوں ہاتھ جوڑ کر اور جُھک کر اُسے سلام کیا، جس کا مطلب یہی تھا کہ ہاں! میں یہیں رہتا ہوں۔
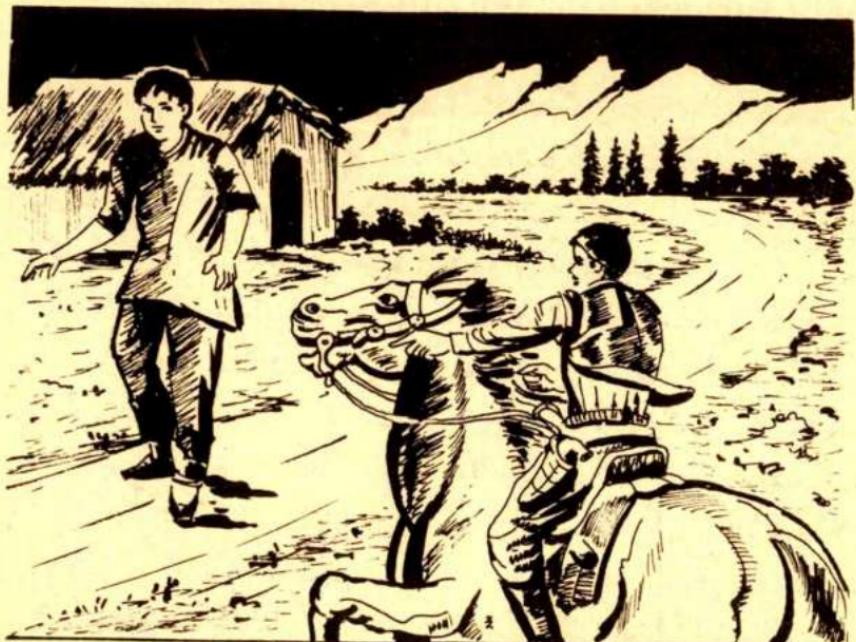
پھر سوار نے پوچھا، "لڑکے، تمھارا نام کیا ہے؟"

"گوما۔" اُس نے مختصر سا جواب دیا۔

"خوب! بہت آسان نام ہے۔ کیا تم شکار میں میرا ساتھ دے سکو گے؟" گورے نے کہا۔

گورے کے سوال پر گوما کے پیر کانپنے لگے۔ اُسے ایک گورے سے بات کرنے کی اتنی خوشی تھی کہ وہ اس سوال کا کوئی جواب نہ دے سکا، بس اتنا کہہ کر رہ گیا:

"شکار پر......؟"

گورے نے کہا، "ہاں، ہاں! شکار پر۔ پہاڑ کی چوٹی پر ایک ریچھ نظر آیا ہے۔ میں اُسی کا شکار کرنا چاہتا ہوں۔"

ریچھ کا نام سنتے ہی گوما کا چہرہ اُتر گیا۔ اُس نے جلدی جلدی پلکیں جھپکائیں جیسے اُسے گورے کی بات پر یقین نہ آیا۔

"بولو! کیا ارادہ ہے؟" گورے نے پھر پوچھا۔ اتنی دیر میں گوما اپنے آپ پر قابو پا چکا تھا۔ اس لیے اُس نے ہچکچاتے ہوئے کہا، "اس ریچھ کا شکار ٹھیک نہیں ہے حضور۔"

گورے نے کہا، "اچھا تو تم ڈر رہے ہو۔ میں اکیلے ہی جاؤں گا۔"

"لیکن حضور، وہ ریچھ آج باہر نہیں آئے گا۔" گوما نے بڑے ادب سے کہا۔

"تمھیں کیسے معلوم ہوا؟" گورے نے پوچھا تو گوما نے اُسے بتایا کہ ریچھ دراصل پریوں کا پالتو ریچھ ہے اس لیے صرف اس وقت رات میں باہر نکلتا ہے جب آسمان پر بادل نہ ہوں اور سات پریاں اُس کے ساتھ ہوں۔ گوما کی باتوں پر گورا بڑی زور سے ہنسا اور کہنے لگا، "یہ سب بے کار باتیں ہیں۔ تمھیں لوگوں نے خواہ مخواہ ڈرا دیا ہے۔ یہاں لوگوں نے اس ریچھ کے بارے میں جو کہانی مشہور کر رکھی ہے میں اُسے جھوٹی ثابت کر دوں گا۔ میں کل پھر آؤں گا۔ تم اُس وقت تک اچھی طرح سوچ لینا۔" گورے نے کہا اور چلا گیا۔

گوما بڑی دیر تک اسی جگہ کھڑے کھڑے اس انگریز کو جاتے دیکھتا رہا۔ وہ جب نظروں سے اوجھل ہو گیا اور اس کے گھوڑے کے ٹاپوں کی آواز بھی آنا بند ہو گئی تو گوما اپنی جھونپڑی میں لوٹ آیا اور پیال کے بستر پر لیٹ کر اُس انگریز کے بارے میں سوچنے لگا۔ اس سے پہلے بھی اُس نے انگریز دیکھے تھے۔ وہ بھی اسی کی طرح گورے تھے، لیکن اُن میں

سے کسی نے بھی گوما سے بات نہیں کی تھی۔ گوما کے خیال میں یہ انگریز بڑا رحم دل تھا۔ ورنہ گورے انگریز تو کالے آدمیوں سے بات ہی نہیں کرتے۔ پھر جب گوما کو گورے کا وہ قہقہہ یاد آیا جو اُس نے سات پریوں والی بات سُن کر لگایا تھا تو گوما پھر رنجیدہ ہو گیا، کیوں کہ گورے انگریز نے قہقہہ لگا کر اس کا مذاق اُڑایا تھا۔ گوما بڑی دیر تک اسی انگریز کے بارے میں سوچتے سوچتے سو گیا۔

تیسری رات کو وہی انگریز دوبارہ گوما کے گاؤں میں آیا۔ اس بار بھی گوما اُسی جگہ بیٹھا ہوا تھا جہاں پہلے دن اُس کی انگریز سے ملاقات ہوئی تھی۔ اس بار انگریز نے آتے ہی گوما سے پوچھا،

"کیوں گوما، تم نے کیا فیصلہ کیا؟ کیا تم میرے ساتھ چلو گے؟ میں تمھیں بہت سارے پیسے دوں گا۔ اتنے کہ تم نے کبھی سوچا بھی نہ ہو گا۔ میں اکیلا بھی جا سکتا ہوں، لیکن تمھیں اس لیے ساتھ لے جانا چاہتا ہوں کہ تم اسی علاقے میں رہتے ہو۔ تمھیں تمام راستے معلوم ہوں گے اور ہم آسانی سے ریچھ تک پہنچ جائیں گے۔ بولو! کیا ارادہ ہے؟"

"صاحب! آپ میری بات سمجھنے کی کوشش کریں۔ میں آپ کے ساتھ نہیں چل سکتا۔" گوما نے جواب دیا۔ گوما کا خیال تھا کہ اس جواب سے انگریز ناراض ہو جائے گا، لیکن وہ بڑا رحم دل آدمی معلوم ہوتا تھا، کیوں کہ وہ گوما کے جواب میں ناراض ہونے کے بجائے گھوڑے سے اُتر کر ایک پتھر پر بیٹھ گیا اور گوما سے کہنے لگا، "آؤ گوما! میرے پاس بیٹھو۔ بڑی اچھی چاندنی چٹکی ہوئی ہے۔ مجھے بتاؤ کہ تم کیوں ڈر رہے ہو؟"

"آپ سُن کر ہنسیں گے۔ میرا مذاق اُڑائیں گے۔" گوما نے کہا۔

"نہیں! نہ میں ہنسوں گا نہ تمھارا مذاق اڑاوں گا۔" گورے نے جواب دیا۔

گوما نے انگریز کی شکل غور سے دیکھی اور جب اُسے یقین ہو گیا کہ گورے نے ٹھیک ہی کہا ہے تو وہ زمین پر پالتی مار کر بیٹھ گیا اور کہنے لگا:

"حضور! یہ بہت چھوٹی سی کہانی ہے۔ بہت دن پہلے کا ذکر ہے جب آپ لوگ نہیں آئے تھے۔ اس زمانے میں یہاں ہر شخص آزادی سے گھومتا پھرتا تھا۔ انسانوں کی طرح جانور بھی آزاد تھے۔ انھیں کسی قسم کا کوئی خطرہ نہیں تھا۔ اس وقت بھی ریچھ کو بہت مقدس

سمجھا جاتا تھا۔ ان جانوروں کا ایک سردار بھی ہوتا تھا۔ اُسے بھی معلوم تھا کہ ریچھ ایک مقدس جانور ہے۔ پھر بھی وہ ریچھ کو بُھلا بیٹھا۔ بے چارہ ریچھ تو صرف پھل، سبزیاں اور شہد کھا کر گزارا کرتا تھا۔ کبھی کسی کو ستاتا تھا نہ کسی کی جان لیتا تھا، لیکن جب جانوروں کے سردار نے اُسے بُھلا دیا تو دوسرے جانوروں نے ریچھ کے پھل چُرا چُرا کر کھانے شروع کر دیے۔ بہت سے جانور اس کے دشمن ہو گئے۔ مجبور ہو کر ریچھ کے پاس سیرو کے ذریعہ سے ایک درخواست بھیجی۔ کہتے ہیں کہ پرانے زمانے میں سیرو نام کا ایک جانور ہوتا تھا جو جانوروں کے پیغامات سردار تک پہنچایا کرتا تھا۔ یہ جانور تھوڑا سا کسی ہرنی کی طرح ہوتا۔ اس کے جسم کا کچھ حصّہ کسی بکری کی طرح اور کچھ حصّہ گدھے کی شکل کا ہوتا تھا۔ سیرو بڑا سیدھا جانور تھا۔ وہ جب ریچھ کا پیغام سردار تک پہنچانے جا رہا تھا تو اُسے راستے میں ریچھ کے کئی دشمن مل گئے۔ انھوں نے سیرو کو بہت مارا۔ وہ درد سے چیخنے لگا۔ اسی وقت آسمان سے جگ مگ جگ مگ کرتی سات پریاں اُتریں۔ یہ سب آپس میں بہنیں تھیں۔ انھوں نے دوسرے جانوروں سے سیرو کی جان بچائی اور ریچھ کا پیغام سردار تک پہنچانے کے بعد سردار سے ریچھ کو مانگ لیا۔ اُس وقت سے آج تک پہاڑ پر نظر آنے والے ریچھ کی وہی حفاظت کرتی ہیں۔ کوئی بھی آدمی اُس ریچھ کو نہیں مار سکتا۔ جو بھی ریچھ کو مارنے جاتا ہے خود ہی مر جاتا ہے۔"

گوما تو یہ کہانی سُنا کر خاموش ہو گیا۔ انگریز دل میں گوما کی کہانی پر خوب ہنسا، لیکن زبان سے اُس نے کچھ نہیں کہا۔ وہ سمجھتا تھا کہ گوما بے چارہ گاؤں کا بھولا بھالا لڑکا ہے۔ خود پڑھا لکھا تو ہے نہیں۔ بس گاؤں کے لوگوں نے اُسے جو کچھ بتایا اُس نے اس پر یقین کر لیا۔ گوما کی سادگی بھولی باتیں اور ادب سے بات کرنے کا طریقہ گورے کو اتنا پسند آیا کہ اس نے فیصلہ کر لیا کہ اس لڑکے کا دل نہیں توڑنا چاہیے۔ ریچھ کا شکار کرنے کے لیے وہ اس طرح جائے گا کہ گوما کو خبر تک نہ ہو۔ اُس نے گوما کی طرف دیکھا جو بڑے آرام سے زمین پر بیٹھا ایک پتّھر سے اپنا لمبا سا چُھرا تیز کر رہا تھا۔ گورے نے گوما سے کہا، "اچھا گوما ہم نے تمھاری بات مان لی۔ اب ہم بھی ریچھ کا شکار نہیں کریں گے۔"

انگریز تو اپنے گھوڑے پر بیٹھ کر چلا گیا اور گوما سوچنے لگا کہ کیا واقعی اس گورے نے اس کا کہنا مان لیا ہے؟ اس دن کے بعد سے گوما ہر رات اُس انگریز کا انتظار کرتا۔ اسے یقین نہیں تھا کہ انگریز اتنی آسانی سے اس کی بات مان سکتا ہے۔ اُس نے اپنے دادا اور گاؤں کے دوسرے بزرگوں سے سُنا تھا کہ سمندر پار سے آنے والے گورے کبھی اپنے دل کی بات کسی کو نہیں بتاتے۔ کہتے کچھ ہیں، کرتے کچھ اور ہیں۔ جس کام کا ایک مرتبہ ارادہ کرلیں اُسے پورا کرنے کی کوشش ہر حال میں کرتے ہیں۔ چاہے اس کے لیے اُنھیں کسی کو دھوکا دینا پڑے یا کتنا ہی جھوٹ بولنا پڑے۔ اسی لیے گوما کو یقین تھا کہ گورا صاحب ضرور واپس آئے گا اور ریچھ کا شکار کرنے کی کوشش بھی کرے گا چاہے اس کام میں اُس کی جان ہی کیوں نہ چلی جائے۔

کئی ہفتے گزرنے کے بعد ایک روز گوما ہمیشہ کی طرح اپنی جھونپڑی کے قریب بیٹھا تھا۔ اُس نے گھوڑے کے ٹاپوں کی آواز سُنی۔ یہ آواز ایسی تھی جیسے کسی شخص نے سیدھی سڑک پر چلنے کے بجائے کوئی لمبا اور چکّر دار راستہ اختیار کیا ہے۔ گوما پہچان گیا کہ یہ یقیناً اُسی گورے کے گھوڑے کے ٹاپوں کی آواز ہے۔ وہ سوچنے لگا کہ صاحب خود اپنی موت کی طرف جا رہا ہے۔ یہ سوچ کر اُسے بہت افسوس ہوا، کیوں کہ وہ گورے کو ایک اچھا آدمی سمجھتا تھا اور نہیں چاہتا تھا کہ گورے کی جان چلی جائے، لیکن وہ کر ہی کیا سکتا تھا۔ اُس نے تو گورے صاحب کو بہت سمجھایا، لیکن گورا صاحب بھی ضدّی تھا۔ گوما کو اپنے دادا کی باتیں یاد آنے لگیں کہ گورے کہتے کچھ ہیں، کرتے کچھ اور ہیں۔ اس گورے نے بھی تو یہی کیا تھا۔ گوما سے تو اس نے کہا تھا کہ وہ ریچھ کا شکار نہیں کرے گا، اور اب وہ گوما سے چُھپ کر ریچھ کے شکار کے لیے جا رہا ہے، حالانکہ اس شکار میں اُس کی اپنی جان چلی جائے گی۔ گورے کی اس وعدہ خلافی پر گوما کو بہت غصّہ آیا۔ اُس نے سوچا کہ اب اُسے گورے کے متعلق بالکل فکر نہیں کرنی چاہیے۔ اُسے اِن ٹاپوں کی آواز بھی نہیں سننی چاہیے۔ وہ چاہتا تھا کہ اپنے کان بند کرلے تاکہ ٹاپوں کی آواز نہ سُن سکے، لیکن اُس وقت ٹاپوں کی آواز خود بہ خود بند ہوگئی۔ گوما تو اسی علاقے میں پیدا ہوا تھا۔ اُسے یہاں کی ایک ایک چیز معلوم تھی۔ وہ

جانتا تھا کہ کوئی گھوڑا اگر چلتے چلتے اچانک رُک جائے تو اس کا مطلب یہی ہے کہ وہ کسی خطرے میں ہے یا گھوڑے نے کسی درندے کی بُو سونگھ لی ہے جس کی وجہ سے وہ چلتے چلتے رُک گیا۔ اُسی وقت اُسے دور سے ایک عجیب سا شور سنائی دیا اور پھر خاموشی چھا گئی۔ اب تو گوما کو بالکل یقین ہو گیا کہ گورا صاحب خطرے میں ہے۔ اس نے سوچا کہ اس کی جان ضرور بچانی چاہیے۔ وہ ہاتھ میں کُکری لے کر تیزی سے گاؤں کے احاطے سے نکلا۔ کُکری ایک بڑا چھُرا ہوتی ہے۔ یہ دستے کے پاس ہی سے ٹیڑھی ہوتی ہے۔ اوپر سے پتلی اور آخری حصے میں چوڑی ہوتی ہے۔ اس میں صرف ایک ہی طرف دھار ہوتی ہے۔ یہ وزنی بھی بہت ہوتی ہے۔ اس کی لمبائی ایک فیٹ سے زیادہ ہوتی ہے۔

گورا صاحب گھوڑے سے اُتر چکا تھا اور پیدل ہی آگے بڑھ رہا تھا۔ گورے کی یہی غلطی تھی۔ اسے گھوڑے سے اُترنا نہیں چاہیے تھا، کیوں کہ اس علاقے میں چیتے بھی تھے۔ گوما جس وقت گورے صاحب کے قریب پہنچا تو اُس نے اندھیرے میں دو چمکتی ہوئی سرخ بتیاں دیکھیں۔ گوما ان بتیوں کو پہچان گیا۔ یہ چیتے کی آنکھیں تھیں جو اندھیرے میں چمک رہی تھیں۔

ایک منٹ تک وہ سوچتا رہا کہ اُسے کیا کرنا چاہیے، کیوں کہ گورا صاحب تو ریچھ کو مارنے کے لیے تیار تھا۔ اس کی توجہ چیتے کی طرف تھی ہی نہیں۔ گوما کے مذہب میں ریچھ کو مارنے کی کوشش کرنا بھی بہت بڑا گناہ تھا۔ وہ سوچنے لگا کہ کیا وہ گورے صاحب کو چیتے کے ہاتھوں مَر جانے دے، کیوں کہ اس طرح ریچھ تو بچ ہی جائے گا یا وہ گورے کی مدد کرے، کیوں کہ کسی بھی جانور کے مقابلے میں انسان کی زندگی بچانا بہت زیادہ ضروری ہے۔ اُسی وقت چیتے نے گورے صاحب پر چھلانگ لگائی۔ گورے کی بھی شاید اُسی وقت چیتے پر نظر پڑی تھی۔ اس نے بھی فوراً چیتے کا نشانہ لے کر گولی چلا دی، لیکن نشانہ چوں کہ جلدی میں باندھا گیا تھا، اس لیے خطا ہو گیا۔ گولی چلتے ہی چیتا گورے پر آ کر گرا۔ اب گورے کا بدن چیتے کے نیچے دَبا ہوا تھا۔ گوما نے فوراً فیصلہ کیا کہ انسان کی جان بچانا بہت ضروری ہے۔ پھر اس کے خیال میں تو گورا صاحب بہت شریف آدمی ہے۔ چناں چہ اُس نے گورے کی جان بچانے کا فیصلہ کیا اور اپنی کُکری لے کر گوما نے چیتے پر حملہ کر دیا۔ گوما نے چیتے پر اپنی کُکری سے کئی وار کیے۔ چیتے کو کیا معلوم تھا کہ کوئی اور بھی وہاں موجود ہے۔ چناں چہ گوما کی کُکری سے نہ بچ سکا۔ کُکری سے کئی زخم کھانے کے بعد آخر چیتا غرّاتا ہوا ایک طرف لڑھک گیا۔ اب گوما نے گورے صاحب کی طرف توجہ دی۔ چیتے کے حملے سے اُسے کوئی نقصان نہیں پہنچا تھا البتہ چیتے کے پنجوں سے صرف گورے کا کوٹ پھٹا تھا۔ تھوڑی دیر میں چیتے کی غراہٹ بند ہو گئی تو گوما نے گورے صاحب کو سہارا دے کر اُٹھایا۔ چیتے کے کان کے پاس پھنسی ہوئی کُکری نکالی اور گورے صاحب سے کہا:

"آپ نے دیکھ لیا کہ سات پریاں ریچھ کی کس طرح حفاظت کرتی ہیں۔"

گورے صاحب نے گوما کی طرف دیکھا تو سب سے پہلے گوما کا شکریہ ادا کیا کہ اُس کی وجہ سے اس کی جان بچ گئی۔ پھر اُس نے گوما سے کہا:

"گوما! میں واپس جا رہا ہوں اور تم سے سچّا وعدہ کرتا ہوں کہ آیندہ کبھی ریچھ کا شکار نہیں کروں گا۔ اب تم چاہو تو میرے یہاں ملازمت کر لو۔ اب میں کبھی شکار نہیں کروں گا۔"

گورے صاحب کا یہ جملہ سُن کر گوما کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو آ گئے۔ کہتے ہیں کہ اس کے بعد گوما بہت دِنوں تک اسی انگریز کے ساتھ رہا۔

مسعود احتشام، لیہ

عقیل احمد خاں، کراچی

محمد صفدر، پنڈی گھیب
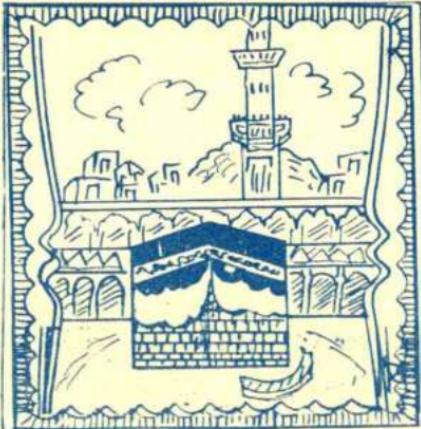
محمد احسان، کراچی
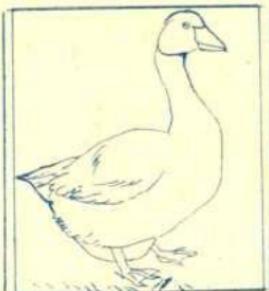
محمد قیصر امام، ملیر

محمد عمر احمد خاں، کراچی
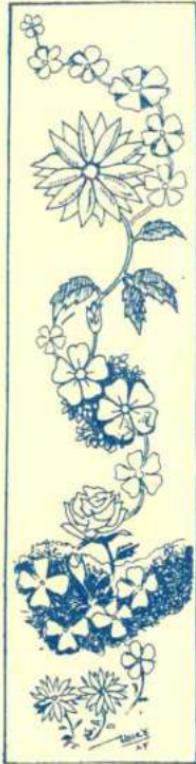
صحت مند نونہال

دس سال سے کم عمر صحت مند نونہالوں کی تصویریں

محمد کامران مرزا، کراچی | ارشاد احمد، جیکب آباد

عبدالجبار قریشی، ٹنڈو محمد خان | سید عظیم حسن، کراچی | جمشید احمد مرزا، لاہور | مظہر اقبال، ملیر

محمد جمیل احمد اعوان، ٹنڈو محمد خان | طارق محمود احمد، کراچی | جمیل احمد خان زادہ، ٹنڈو الہ یار | جاوید اقبال، کراچی

خاور الٰہی، راولپنڈی | محمد عظیم خان، کراچی | فہمیدہ، کھوکھراپار | عدنان، بنوں

محمد جاوید حسین، کراچی | محمد سہیل، کراچی | محمد ظہیر، کراچی | محمد فضل حق اشرفی، کراچی

آسماں اختر، لاہور | عمران امین، کراچی | غلام مرتضیٰ قریشی، ملتان | فہیم عباسی، کراچی

غلام قاسم، لاڑکانہ | نوشاد علی، کراچی | جاوید اقبال، کراچی | انعام اللہ، مینگورہ

مسعود علی، کراچی | فرخ عباسی، کراچی | محمد حاصل بلوچ، تربت | یاسمین فاطمہ جعفری، کراچی

عدنان یوسف - پاکستان کا سب سے کم عمر اولمپک کھلاڑی

کیا آپ جانتے ہیں پاکستان کا سب سے کم عمر اولمپین کون ہے؟
شاید اس سوال کا جواب سُن کر آپ کو تعجب ہو، کیوں کہ یہ بڑی عجیب سی بات لگتی ہے کہ کراچی کے ایک اسکول میں پڑھنے والے عدنان یوسف صرف سولہ سال کی عمر میں لاس اینجلز گئے اور کشتی رانی کے مقابلوں میں شرکت کر آئے اور پاکستان کے سب سے کم عمر اولمپین بن گئے۔ ایک اور حیرت انگیز بات یہ ہے کہ عدنان نے صرف تین سال پہلے سمندر کی موجوں سے کھیلنا شروع کیا۔ اُس وقت اُن کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ وہ اولمپین کشتی راں بن جائیں گے، مگر تین سال بعد ان کا ایک ایسا خواب پورا ہوا جو انھوں نے دیکھا تک نہیں تھا۔

لاس اینجلز میں ہونے والے ۲۳ ویں اولمپک مقابلوں میں جن کشتی رانوں نے حصّہ لیا اُن میں کسی کی عمر بیس سال سے کم نہیں تھی۔ وہ سب سے کم عمر تھے۔ اس طرح عدنان نے ۲۳ ویں اولمپک میں ایک نیا رِکارڈ قائم کیا۔ ظاہر ہے اس بلند مقام تک عدنان کی رسائی بڑی آسان لگتی ہے، مگر انھوں نے یہاں تک پہنچنے کے لیے خاصی محنت کی، جس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ وہ تین سال سے روزانہ تین چار گھنٹے کشتی رانی کرتے ہیں اور اولمپک کی تیاری کے لیے وہ روزانہ چار چھے گھنٹے کشتی چلاتے رہے۔ یہی نہیں بلکہ اسی زمانے میں انھوں نے میٹرک کا امتحان بھی دیا۔

عدنان کی ٹیم جس نے سولنگ کلاس ایونٹ میں حصّہ لیا خود ان کے علاوہ ایشیائی کھیلوں کے طلائی تمغا یافتہ کیپٹن کے ایم اختر، لیفٹیننٹ نسیم اور انور خاں پر مشتمل تھی۔ ان کے علاوہ جو کشتی راں دوسرے مقابلوں میں حصّہ لینے لاس اینجلز گئے اُن میں لیفٹیننٹ مُنیر صادق، لیفٹیننٹ ذکا اور لیفٹیننٹ کمانڈر ارشد چودھری شامل تھے۔

عدنان یوسف کی ٹیم بیس ملکوں میں سترھویں نمبر پر رہی۔ اسے عدنان اطمینان بخش کارکردگی

قرار دیتے ہیں، کیوں کہ بین الاقوامی معیار کو دیکھتے ہوئے تو لوگ قیاس کر رہے تھے کہ پاکستان آخری نمبر پر رہے گا بلکہ پاکستان کشتی رانوں کو لاس اینجلز محض اس لیے بھیجا گیا تھا کہ وہ بین الاقوامی تجربہ حاصل کریں اور جب آئندہ چل کر ایشیائی کھیل ہوں تو انھیں اپنا اعزاز برقرار رکھنے میں آسانی ہو۔

اس سوال کے جواب میں کہ انھوں نے کشتی رانی کے مقابلوں میں حصہ لینا کہاں سے شروع کیا، عدنان نے بتایا کہ ۱۹۸۱ء میں محض تفریحاً کراچی یاٹ کلب متوڑا جایا کرتا تھا۔ اس وقت بمبئی کی ولز ایشین ریگاٹا (کشتی رانی کے مقابلوں کو ریگاٹا کہتے ہیں) کے لیے جونیر ٹیم کا انتخاب ہو رہا تھا۔ ٹیم منتخب کرنے والوں کی نگاہ مجھ پر پڑی اور مجھے کیڈٹ کلاس کے لیے منتخب کر لیا گیا۔ اس کے بعد میں نے ایک ماہ تک بحری سفر (سیلنگ = (SAILING)) کی تربیت حاصل کی اور پھر بمبئی جا کر اس مقابلے میں حصہ لیا۔

واپس آیا تو کشتی رانی سے میری دلچسپی بہت بڑھ گئی اور میں اپنا شوق پورا کرنے پاکستان نیوی ایکوٹیٹک کلب جانے لگا۔ والدین کی وجہ سے میں کیپٹن ایم اختر سے مل سکا۔ میری یہ خوش نصیبی تھی کہ انھوں نے مجھے تربیت دی اور میری صلاحیتوں کو پہچانتے ہوئے مجھے اپنے "کریو" (CREW) میں شامل کر لیا۔ پھر میں نے ۱۹۸۲ء میں جونیر چیمپین شپ اور نیشنل چیمپین شپ میں حصہ لیا اور نمایاں پوزیشن حاصل کی۔

پھر عدنان کی زندگی کا وہ یادگار دن بھی آ گیا جب وہ لاس اینجلز اولمپک میں حصہ لینے والی ٹیم میں شامل ہوئے اور انھوں نے اپنے بزرگ ساتھیوں کے ساتھ لانگ بیچ (امریکا) میں کشتی رانی کا مظاہرہ کیا۔

جب ان سے پوچھا گیا کہ مستقبل میں ان کے ارادے کیا ہیں۔ عدنان نے جواب دیا کہ مجھ سمیت تمام کشتی رانوں کی اگلی منزل سیئول ہے، جہاں ۱۹۸۶ء میں ایشیائی کھیل ہوں گے، مگر اس کا انحصار اس بات پر ہے کہ کون کتنی محنت کرتا ہے۔ کتنی اچھی کارکردگی دکھاتا ہے۔ اسی کی بنیاد پر پاکستان یاٹنگ ایسوسی ایشن کشتی رانوں کی ٹیم کا انتخاب کرے گی۔ میں بھی خود کو شرکت کے لیے تیار کر رہا ہوں۔ میں سیئول میں لیزر بوٹ استعمال کروں گا اور لیزر کلاس ایونٹ میں حصہ لوں گا، جس کے لیے میں نے ابھی سے لیزر بوٹ پر تربیت شروع کر دی ہے۔ اس سلسلے میں عدنان کی یہ تجویز بھی تھی کہ ایشیائی کھیلوں کے جن ایونٹس میں ہمیں حصہ لینا ہے اُن کے لیے کشتیوں کا آرڈر ابھی سے دے دیا جائے، تاکہ یہ کشتیاں مارچ ۱۹۸۵ء تک پاکستان پہنچ جائیں۔ اسی طرح متوقع کشتی رانوں کا انتخاب کرنے کے لیے ابھی سے تربیتی کیمپ لگا دیا جائے۔

عدنان یوسف نے صحیح عمر میں کشتی رانی کا کٹھن سفر شروع کیا ہے اور وہ سولہ سال کی عمر میں ہی اولمپین بن گئے ہیں۔ اگر وہ اسی طرح محنت کرتے رہے تو ایک دن اولمپک میں تمغا بھی حاصل کرلیں گے۔ بہ قول ان کے بیرام ایواری خان نے ۱۹۷۸ء میں کیپٹن اختر نے ۱۹۸۲ء کے ایشیائی کھیلوں میں طلائی تمغے حاصل کر کے ہم جیسے کئی کشتی رانوں کو تاب ناک مستقبل کا راستہ دکھایا ہے۔ اگر میں نے بھی کچھ کر کے دکھایا تو اس کا سہرا بھی ان ہی دو کشتی رانوں کے سر بندھے گا۔

مُسکراتے رہو

★ ایک دلہن کا جہیز جا رہا تھا۔ جہیز کی گاڑی کے ساتھ ساتھ ایک کتا بھی دوڑنے لگا۔ ایک انگریز سیاح وہاں سے گزرا تو کتے کو دیکھ کر بہت خوش ہوا اور ایک راہ گیر کو روک کر کہا کہ "یہاں کا کتنا اچھا رواج ہے کہ دلہن کو جہیز میں کتا بھی دیتے ہیں۔"

مرسلہ: محمد فیصل سعادت، میرپور خاص

★ ایک شخص نے حجام سے کہا "ایک طرف سے میرے بال بہت چھوٹے کر دو، قلمیں بالکل صاف کر دو، بائیں جانب سے بال بالکل مت کاٹنا، تاکہ میرا بایاں کان بالوں سے ڈھکا رہے۔ کھوپڑی کے عین وسط میں چاندی کے روپے جتنا بڑا حصہ گولائی میں صاف کر دو۔ اس کے برابر میں بالوں کا اتنا بڑا گچھا چھوڑ دو، جسے وقتاً فوقتاً کھینچ کر میں اپنی ناک تک لاسکوں اور اس سے ٹھوڑی بھی کھجا سکوں۔"

باربر نے احتجاج کیا "لیکن جناب، میں اس انداز کے بال نہیں کاٹ سکتا۔"

گاہک چیخ کر بولا "کیسے نہیں کاٹ سکتے، پچھلی مرتبہ تم نے اسی طرح کے بال کاٹے تھے۔"

مرسلہ: سعدیہ ارم، کراچی

★ جنگ کے زمانے میں ایک شخص گھر سے باہر سڑک کے پاس مچھر دانی باندھ کر سو گیا۔ ایک پولیس والے نے کہا، "بھائی، گھر کے اندر جا کر سو جاؤ۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم پر بم گر جائے۔" وہ شخص کہنے لگا "عجیب بات ہے مچھر جیسی چھوٹی چیز تو اندر گھس نہیں سکتی، بھلا بم مچھر دانی میں کیسے آئے گا۔" مرسلہ: محمد فراز منور، کراچی

★ مالک مکان بدل گیا تھا، مگر کرائے دار پرانا تھا۔ کرائے دار ایک روز مالک مکان سے بولا "اوپر رہنے والی جھگڑالو عورت رات بھر اپنے شوہر سے جھگڑا کرتی ہے، آپ اسے منع کیوں نہیں کرتے، اس سے پڑوسیوں کی نیند خراب ہوتی ہے۔"

مالک مکان بولا "آپ اس کے پڑوسی ہیں؟"

"جی نہیں، میں اس کا شوہر ہوں۔" کرایہ دار نے

جواب دیا۔ مرسلہ: موناعروج بٹ، لاہور

★ ایک مسافر کہیں جارہا تھا۔ راستے میں اسے دو ڈاکو ملے۔ انھوں نے تلاشی لی تو رقم کافی نکل آئی۔ ڈاکو نے پوچھا، "رقم دو گے یا جان دو گے؟" مسافر نے کہا، "جان لے لو، رقم تو بڑھاپے میں کام آئے گی۔"

★ ایک شخص اپنے ایک درجن بچوں کے ساتھ چڑیا گھر دیکھنے گیا۔ اور وہاں جاکر ملازم سے کہا، "ہمیں زیبرا دیکھنا ہے۔"

ملازم نے کہا، "کیا یہ سب بچے آپ کے ہیں؟"

فرمایا: "ہاں!"

ملازم نے کہا، "پھر ٹھہریے، میں زیبرے کو بُلالاتا ہوں، تاکہ وہ آپ کو دیکھ لے۔"

مرسلہ: چوھدری محمد نذیر تبسم، سیالکوٹ

★ ایک بار مرزا غالب کے ہاں ایک مہمان آئے۔ ملاقات کے بعد جب واپس جانے لگے تو مرزا غالب موم بتی لے کر دروازے تک انھیں چھوڑنے آئے۔ وہ مہمان حیران رہ گئے کہ اتنا بڑا اور مشہور شاعر اور انھیں موم بتی لے کر دروازے تک چھوڑنے آیا۔ دروازے پر پہنچ کر انھوں نے غالب سے کہا کہ آپ مجھے دروازے تک موم بتی لے کر چھوڑنے آئے اس کے لیے آپ کا بہت بہت شکریہ۔ تو غالب نے مسکراتے ہوئے کہا کہ جناب میں اس لیے آیا ہوں کہ کہیں آپ اندھیرے میں میرا جوتا نہ پہن جائیں۔

مرسلہ: لبنیٰ نور، کراچی

★ استاد: (شاگرد سے) جھوٹ کو جملے میں استعمال کرو۔

شاگرد: میں جھوٹ بولتا ہوں کہ میں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ مرسلہ: عائشہ محبوب، کراچی

★ ایک دوست: (دوسرے دوست سے): اگر سوال لمبے ہوتے اور جواب چھوٹے ہوتے تو کیا ہوتا؟

دوسرا دوست: تو ماسٹر صاحب جواب کے بجائے سوال یاد کرنے کو دیا کرتے۔ مرسلہ: ایلیا کاظم، کراچی

★ ایک صاحب نے بیمہ کمپنی کے ایک ایجنٹ سے پوچھا، "اگر میں اپنی بیوی کی زندگی کا بیمہ کراؤں اور کل وہ مرجائے تو مجھے کیا ملے گا؟"

بیمہ ایجنٹ نے جواب دیا، "پھانسی۔"

★ استاد: (شاگرد سے) دنیا میں سب سے زیادہ خطرناک چیز کون سی ہے؟

شاگرد: جناب آپ کا دایاں ہاتھ۔

★ ڈاکٹر (موٹاپے کے مریض سے): یہ بوتل گولیوں سے بھری ہوئی ہے۔ مگر یہ کھانے کے لیے نہیں ہے، بس ہر روز دن میں تین بار اس کی گولیاں زمین پر گرادو، پھر جھک جھک کر ہر گولی اٹھاؤ اور بوتل میں ڈالتے جاؤ۔

مرسلہ: صالحہ برکاتی، کراچی

★ مجسٹریٹ نے ملزم سے پوچھا، "تمھارا کوئی گواہ ہے؟"

ملزم نے جواب دیا، جناب! میں کسی کے سامنے چوری ہی نہیں کرتا۔ مرسلہ: مرتضیٰ نور، کراچی

★ دو دوست جا رہے تھے کہ انھیں ایک آئینہ پڑا ہوا ملا۔ ایک نے آئینہ اُٹھا کر دیکھا تو ایک زور دار چیخ ماری۔ دوسرے دوست نے آئینہ لے کر دیکھا اور بولا، "تمھیں شرم نہیں آتی لوگوں کو ڈراتے ہو۔"

مرسلہ: انیس احمد، کراچی

★ ایک بزرگ موت سے بہت خوف زدہ تھے، یہاں تک کہ گھر میں اس لفظ کا استعمال بھی ممنوع تھا۔ اگر کوئی مر جاتا تو کہا جاتا کہ پیدا ہو گیا ہے۔ ایک مرتبہ کوئی مہمان ان کے گھر آیا۔ اس کو اس بات کی خبر نہ تھی۔ ابھی میزبان اور مہمان آپس میں بات چیت کر رہے تھے کہ نوکر دوڑتا ہوا آیا اور بولا، "صاحب، میرے ابا پیدا ہو گئے۔"

مہمان نے حیرت سے پوچھا، "کیا؟" جواب ملا، "میرے ابا پیدا ہو گئے۔"

مہمان نے پھر پوچھا، "اور تمھاری ماں؟"

نوکر: وہ تین ماہ پہلے پیدا ہوئی تھیں۔ مہمان نے آنکھیں پھاڑتے ہوئے دریافت کیا، "پھر تم کب پیدا ہوئے؟"

نوکر نے آب دیدہ ہو کر کہا، "اگر یہی حالت رہی تو کسی بھی وقت پیدا ہو جاؤں گا۔"

مرسلہ: رئیسہ کوثر حامد، کراچی

★ بیوی (شوہر سے): تمھارا دوست نہایت بدتمیز اور بدسلیقہ ہے۔ وہ میری ساری گفت گو کے دوران جماہیاں ہی لیتا رہا۔

شوہر: بیگم، میرا دوست جماہیاں نہیں لے رہا تھا بلکہ وہ بات کرنے کے لیے منھ کھولتا تھا، لیکن تم اُسے بات کرنے کا موقع ہی نہیں دیتی تھیں۔
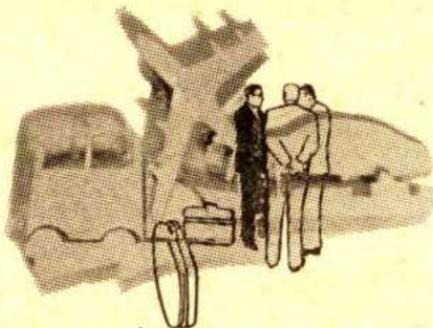
مرسلہ: محمد سجاد اصغر، شاہدرہ لاہور

★ ایک بے وقوف (دوسرے بے وقوف سے): ہوائی جہاز پٹڑیوں پر کیوں نہیں چلتے؟

دوسرا بے وقوف: ارے عقل مند، جہاز کو پٹڑیوں پر چل کر کوئی لیٹ ہونا ہے۔

★ دادی اماں (اپنی پوتی سے): بیٹی، میرا دل یہ چاہتا ہے کہ ابھی اللہ میاں کے پاس چلی جاؤں۔

ایک کونے میں سے نوکرانی کی آواز آئی۔ "دادی اماں تانگا لے آؤں؟"

مرسلہ: سید لیاقت علی، اسلام آباد

★ ایک ڈرائنگ ماسٹر صاحب نے بچّوں کو گھر کے کام میں ایک ہوائی جہاز کی تصویر بنا کر لانے کو کہا۔ دوسرے دن تمام بچّوں نے گھر کا کام دکھایا، مگر ایک بچّہ کھڑا رہا۔ جب سر نے پوچھا تو اُس نے جواب دیا، "جناب، میں نے جہاز بنایا تھا، مسافر وقت پر مل گئے اور جہاز اُڑ گیا۔"

مرسلہ: محمد شہزاد سبطین، فیصل آباد

★ استاد: (شاگرد سے)

"جس کھیت سے میسر نہ ہو دہقان کو روزی"

اس کا دوسرا مصرعہ بتاؤ۔

شاگرد:

"اُس کھیت میں ٹیوب ویل لگا دو۔"

مرسلہ: طاہر قیوم، غفار، یاسر۔

آوازِ اخلاق

دیانت داری خود اعتمادی پیدا کرتی ہے

حکایتِ رُومی

بُزدِل پہلوان

قزوین (ایران) کے باشندے اپنے جسم پر جانوروں اور پرندوں کی تصویریں گودتے تھے۔ ایک دن اس شہر کا ایک مشہور پہلوان ایک حجّام کے پاس پہنچا اور بولا، "میں میدانِ جنگ میں جا رہا ہوں، میرے جسم پر اچھی سی تصویر بنا دو۔" حجّام نے پوچھا، "کس قسم کی تصویر بنوانا چاہتے ہو؟" پہلوان بولا، "میں شیر دِل پہلوان ہوں، میری عادتیں شیروں جیسی ہیں پھر میرا استارہ بھی شیر (اسد) ہے۔ اُسی کی تصویر بنا دو۔"

حجّام نے سوئی اور رنگ کی بوتل سنبھالی اور جسم کو لگا گودنے۔ ابھی تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ پہلوان بے قرار ہو کر بولا، "اُف مار ڈالا، ذرا ٹھہر جا، شیر کے جسم کا کون ساحصّہ بنا رہا ہے؟"

حجّام نے جواب دیا، "میاں شیر دِل پہلوان، ابھی تو میں شیر کی دُم بنا رہا ہوں۔ آپ کیوں اس قدر گھبرا رہے ہیں؟" پہلوان بولا، "میں اتنی تکلیف برداشت نہیں کر سکتا تو دُم نہ بنا، شیر تو دُم کے بغیر بھی خوں خوار نظر آئے گا۔" حجّام پھر تصویر بنانے لگا تو تھوڑی ہی دیر بعد پہلوان چیخ اُٹھا، "شیر کا کون سا حصّہ بنا رہا ہے؟" حجّام نے تسلّی دیتے ہوئے کہا، "پہلوان صاحب، ہمّت سے کام لیجیے، میں تو ابھی صرف شیر کے کان ہی بنا رہا تھا۔" پہلوان کراہتے ہوئے بولا، "تُو تو جانتا ہے لوگ کتّے کے کان کٹوا دیتے ہیں تاکہ وہ اور خوف ناک نظر آئے۔ تو بھی بغیر کان کا شیر بنا دے۔ لوگ اس کی صورت دیکھ کر ڈر جائیں گے۔"

آخر حجّام نے کان بنانا چھوڑا اور شیر کے جسم کا باقی حصّہ بنانے لگا۔ تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ پہلوان پھر درد سے چیخ اُٹھا اور پُوچھا، "اب کیا بنا رہا ہے؟" حجّام نے ہاتھ روک کر کہا، "اب میں ایک ایسا شیر بنا رہا ہوں جس کی نہ دُم ہے اور نہ کان۔ میں اب پیٹ بنا رہا ہوں۔" پہلوان بولا، "ایسا کرو پیٹ بھی نہ بناؤ، کیا مضائقہ ہے؟" یہ سُن کر حجّام کو بڑا تاؤ آیا۔ وہ بولا، "آپ تو بُزدل ہیں اور دعوا اپنے شیر دِل ہونے کا کرتے ہیں۔ سوئی سے کانپتے ہو اور خود کو شیر صِفت کہتے ہو۔ کیا یہی ہمّت لے کر میدانِ جنگ میں جاؤ گے؟"

مگر فساد خون سے بچنے کے لئے صافی بہتر ہے

خون میں سرایت کئے ہوئے فاسد مادے
پھوڑے پھنسیوں اور کئی دوسری جلدی بیماریوں
کو جنم دیتے ہیں۔ ان سے بچنے کے لئے صافی باقاعدگی
کے ساتھ استعمال کیجئے۔ خون کی صفائی اور جلدی
بیماریوں سے محفوظ رہنے کا مفید ذریعہ ہے۔

نیچے لکھے ہوئے سوالات کے جوابات ۱۵ دسمبر ۸۴ء تک ہمیں بھیج دیجیے اور ان پر معلومات عامہ ۲۲۴ ضرور لکھ دیجیے۔ جوابات الگ کاغذ پر نمبروار لکھیے اور آخر میں اپنا نام اور پتا بھی لکھیے۔ تصویر کے پیچھے اپنا نام اور اپنے شہر یا قصبے کا نام ضرور تحریر کریں۔

۱ ۔ قرآن حکیم کی اُس سُورت کا نام بتائیے جس میں دو سے زیادہ قسمیں مسلسل کھائی گئی ہیں؟

۲ ۔ پی۔ سی۔ ایس۔ آئی۔ آر (PCSIR) ایک ادارے کا مختصر نام ہے۔ پورا نام بتائیے۔ اگر ادارے کا کام بھی بتا دیں تو کیا کہنا۔

۳ ۔ پاکستان میں سب سے زیادہ گرمی کہاں پڑتی ہے؟

۴ ۔ حضرت لعل شہباز قلندر کا مزار کہاں واقع ہے؟

۵ ۔ کھیلوں کے سامان کے لیے پاکستان کا کون سا شہر مشہور ہے؟

۶ ۔ کیا آپ کو اردو کے مشہور شاعر اور صحافی رئیس امروہوی کا اصلی نام معلوم ہے؟

۷ ۔ بتائیے ہائڈ پارک کس شہر میں ہے؟

۸ ۔ ۹۔ جنوری کو کس مشہور طبی و علمی شخصیت کی سال گرہ ہے؟

۹ ۔ پاکستان پلاننگ کمیشن جس کا نام پہلے پلاننگ بورڈ تھا، اس کے پہلے چیرمین کون صاحب تھے؟

۱۰ ۔ بیس بال (BASE BALL) کس ملک کا قومی کھیل ہے؟

اس شمارے کے چند مشکل الفاظ

ہر لفظ کے سامنے اُس زبان کا اشارہ بھی لکھا گیا ہے جس سے وہ لفظ اردو میں آیا ہے۔ یہ اشارے اس طرح سے لکھے ہوئے ہیں : ع = عربی، ف = فارسی، ہ = ہندی، س = سنسکرت، ت = ترکی، انگ = انگریزی، الف = اردو۔

مُطلق : (ع) مُطْ لَق : بالکل، قطعی آزاد، بے قید۔

رحیم : (ع) رَ حِیْم : بہت مہربان، نرم دل۔

اوصاف : (ع) اَوْ صَا ف : وصف کی جمع، کمالات، جوہر، ہنر، عادات، اخلاق۔

فِدا : (ع) فِ دَ ا : کسی کے عوض جان دینا، عاشق، فریفتہ۔

عاصی : (ع) عَا صِی : گناہ گار، نافرمان۔

ایصال : (ع) اِی صَا ل : پہنچانا، ملانا۔

مُشک بار : (ف) مُشک بار : خوش بُو والا، معطّر

تُند خُو : (ف) تُنْ دْ خُو : سخت مزاج۔

سماعت : (ع) سَمَا عَتْ : سننا، سننے کی قوت، توجہ کرنا، التفات کرنا، حاکم کا کسی مقدمے میں کارروائی کرنا۔

مخدوش : (ع) مَخْ دُو ش : وہ چیز جس کو نقصان کا خدشہ یا خطرہ ہو، خدشے میں بھرا ہوا۔

فراست : (ع) فِرَا سَت : ذہن کی تیزی، عقل مندی، دانائی۔

متانت : (ع) مَتَا نَتْ : سنجیدگی، تہذیب، خیالات کی آراستگی اور درستی۔

حمیّت : (ع) حَمی یَتْ : غیرت، شرم، ننگ۔

مُفارقت : (ع) مُفَا رَ قَتْ : جدائی، فرقت، علاحدگی۔

گریزاں : (ف) گُرِ یزَ اں : بھاگنے والا، بچنے والا، بھاگتا ہوا۔

منفرد : (ع) مُنْ فَ رِدْ : تنہا، یکتا، یگانہ، اکیلا۔

کَندہ : (ف) کَنْ دَہْ : کُھدا ہوا۔

ناخدا : (ف) نَا خُد ا : ملّاح، جہاز راں، رہنما۔

نصب العین : (ع) نَصْ بُل عَیْن : مقصد، مدِّنظر، دلی منشا۔

متبحّر : (ع) مُتَ بَ حْ حِر : بہت بڑا عالم، فاضل، علم کا دریا۔

منقطع : (ع) مُنْ قَطِعْ : قطع ہونے والا، کٹ جانے والا، غیر مسلسل۔

دل دادہ : (ف) دِلْ دَا دَہْ : عاشق، فریفتہ، دل دار، محبوب۔

موجد : (ع) مُوْ جِدْ : ایجاد کرنے والا، بانی۔

ظلمت کدہ : (ف) ظُلْ مَتْ کَدَہْ : جہاں بہت اندھیرا ہو، اندھیری جگہ۔

مصائب : (ع) مَصَا اِبْ : مصیبت کی جمع۔

چنداں : (ف) چَنْ دَا ں : اس قدر، اتنی، ایسی۔

حمد

مرسلہ: عمران اشرف، کراچی

خداوندا! دُعا کر لے قبول اخلاص مندوں کی
نہ کر اس سے زیادہ آزمائش اپنے بندوں کی
تیرا احسان ہے تو نے یہی احسان فرمایا
عطا اس ملّتِ عاصی کو پاکستان فرمایا
خداوندا! مسلمانوں کو پھر جوشِ اخوت دے
خلوص ایمان غیرت شان و شوکت دے
خداوندا! مسلمانوں میں پہلی شان پیدا کر
صلاح الدین غازی سا کوئی سلطان پیدا کر

نعت

مرسلہ: محمد شفیق احمد، راولپنڈی

جانفزا ہے بہار پھولوں کی
ہے مہک خوش گوار پھولوں کی
بزمِ نعت رسولِ اکرمؐ میں
پڑ رہی ہے پھوار پھولوں کی
باغِ یثرب سے لائی بادِ صبا
نکہت مشکبار پھولوں کی
داغِ عشق نبیؐ ہے دل میں مرے
ہے شگفتہ بہار پھولوں کی
روئے احمدؐ جو دیکھ لے بُلبل
بھول جائے بہار پھولوں کی
ہو مقابل جو تیرے عارض کے
کیا حقیقت ہے ہار پھولوں کی
ہے ثنائے نبیؐ زباں میری
گل فشانی ہزار پھولوں کی

مہمان داری

شبینہ خورشید، ماڈل کالونی

ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بڑے ہی فیاض

تھے۔ مسلمان، کافر اور مشرک بھی آپؐ کے مہمان ہوتے تھے۔ ایک دفعہ ایک کافر کہیں سے آکر آپؐ کا مہمان ہوا۔ آپؐ نے ایک بکری کا دودھ اُسے پلایا۔ وہ سب پی گیا۔ دوسری بکری منگوائی، اس کا دودھ بھی پی گیا۔ اسی طرح سات بکریوں کا دودھ پیتا گیا اور آپؐ اس کے سیر ہونے تک پلاتے رہے۔

کبھی ایسا بھی ہوتا کہ کوئی مہمان آتا تو گھر میں جو کچھ ہوتا حضورؐ اُس کو کھلا دیتے اور خود فاقے سے رہ جاتے تھے۔

حضرت ثابتؓ ایک صحابی تھے۔ انھوں نے ایک دوسرے صحابی کو دیکھا تو سمجھ گئے کہ وہ بھوکے ہیں۔ رات کا وقت تھا۔ انھیں گھر لے گئے اور بیوی سے کہا، "ایک مہمان کو لایا ہوں۔" بیوی نے کہا، "کھانا صرف اتنا ہے کہ آپ کے لیے کافی ہوگا۔" کہا، "خیر جب میں کھانا مہمان کے سامنے رکھوں تو تم چراغ بجھا دینا۔" چناں چہ انھوں نے ایسا ہی کیا۔ مہمان اندھیرے میں کھانا کھاتا رہا اور میزبان (حضرت ثابتؓ) خالی منھ چلاتے رہے جیسے کھا رہے ہوں، یہاں تک کہ مہمان نے سیر ہو کر کھا لیا۔ صبح حضرت ثابتؓ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں حاضر ہوئے تو حضورؐ نے فرمایا: "رات کو تمھاری مہمان داری اللہ تعالیٰ کو بہت پسند آئی ہے۔"

قائداعظم بہ حیثیت طالب

محمد خلیل عامر، دینہ جہلم

قائداعظم محمد علی جناح کی زندگی کے بے شمار روشن پہلو ہیں۔ بچپن سے عمر کے آخری ایام تک قائداعظم کی زندگی کا ہر دور اپنے اندر بے پناہ کشش رکھتا ہے۔ اُن کا بچپن بھی ایک عام بچے سے بالکل مختلف تھا۔ اُن کی سوچ نہایت ٹھوس حقائق پر مبنی رہی۔ اسی طرح زمانۂ طالب علمی میں بھی انھوں نے ان خصوصیات کو برقرار رکھا اور اُن کی بنا پر ملّتِ اسلامیہ کی ڈگمگاتی ہوئی کشتی کا ناخدا، جناح پونجا کے گھر کا ہی نہیں بلکہ اسلامیانِ ہند کے ظلمت کدہ کا بھی اُجالا ثابت ہوا۔ اس لعلِ گہربار کی زندگی بہ حیثیت طالبِ علم بھی منفرد انداز لیے ہوئے تھی۔

آپ کی تعلیم کا آغاز بمبئی کے گوکل داس تیج پرائمری اسکول سے ہوا، لیکن آپ کی والدہ کو بیٹے کی جدائی گوارا نہ ہوئی، چناں چہ آپ کو واپس کراچی بُلا لیا گیا۔ ۴ جولائی ۱۸۸۷ء کو آپ کو حسن علی آفندی کے قائم کردہ اسکول سندھ مدرسۃ الاسلام کراچی میں داخل کروا دیا گیا۔

آپ نے شروع سے ہی پڑھائی میں غیر معمولی دل چسپی لی۔ اکثر رات گئے تک پڑھا کرتے تھے اور لیمپ کے ایک طرف گتّہ رکھ دیتے، تاکہ دوسروں کو تکلیف نہ پہنچے۔ آپ کو دیر تک پڑھتے دیکھ کر آپ کی چھوٹی بہن محترمہ فاطمہ جناح اکثر آپ سے پوچھا کرتیں، "آپ ابھی تک پڑھ رہے ہیں محمد علی؟ اتنی محنت سے آپ اپنی صحت برباد کر لیں گے۔" تو آپ کا جواب ہوتا، "اگر میں محنت نہیں کروں گا تو بڑا آدمی کیسے بنوں گا۔"

قائداعظم نے محنت کو اپنا شعار بنا لیا تھا اور یوں

اُن کی زندگی کا ہر لمحہ علم حاصل کرنے کے لیے وقف تھا۔ وہ زیادہ سے زیادہ توجہ تعلیم کی طرف دیتے اور نہایت سنجیدگی سے مطالعہ کرتے اور اسکول کے دروازے پر کندہ یہ مقولہ اُن کا نصب العین بن گیا، "علم دل لگا کر حاصل کرنا چاہیے۔"

درحقیقت قائداعظم اُن جملہ اوصاف کا مجموعہ تھے، جو ایک طالب علم میں ہونے چاہییں۔ آپ نظم و ضبط کے پابند، صفائی کے دل دادہ اور فرماں بردار شاگرد تھے۔ سخت محنت ان کا وطیرہ اور پڑھائی کی طرف انتہائی رغبت اُن کا طرۂ امتیاز تھی۔ اسکول سے فارغ ہوئے تو بوڑھے باپ کو اُمید بندھ گئی کہ انگریزی جاننے کی یہ دولت قائداعظم تجارت میں اچھے مددگار ثابت ہوں گے۔ چناں چہ سلسلۂ تعلیم منقطع کر دیا گیا۔ آپ نے تعلیم سے انتہائی لگاؤ کے باوجود باپ کے حکم پر رضامندی ظاہر کر دی، لیکن ایک سچّے طالبِ علم کی لگن کام آئی اور جناح پونجا کے دوست سر فریڈرک لی کرافٹ کے کہنے پر آپ کو اعلا تعلیم کے لیے لندن بھیج دیا گیا۔ الوداع کہتے وقت ایک رشتے دار خاتون روپڑیں تو آپ نے کہا، ماں جی فکر نہ کریں میں جب واپس لوٹوں گا تو ملک مجھ پر فخر کرے گا۔ کیا آپ کے لیے یہ خوشی کی بات نہ ہوگی۔ چناں چہ قوم نے دیکھ لیا کہ وہ اس اعتماد پر کس طرح پورے اُترے۔ انھوں نے ۲۵۔ مئی ۱۸۹۳ء کو لنکن اِن کے داخلہ ٹیسٹ میں کام یابی حاصل کی اور ۵ جون ۱۸۹۳ء کو لنکن اِن میں داخلہ لے لیا۔ ایک اچھے مسلمان طالبِ علم کی طرح آپ کو اسلام پر فخر تھا چناں چہ لنکن اِن کا چناؤ بھی اس لیے کیا کہ اس کے صدر دروازے پر بنی نوعِ انسان کی سرکردہ اور عظیم قانون دانوں اور قانون ساز ہستیوں میں سب سے اوپر جلی حروف میں نبی آخر الزماںؐ کا نام کندہ تھا۔ لنکن اِن میں قائداعظم ایک بہترین طالبِ علم ثابت ہوئے۔ ان کے مشاغل بہت محدود تھے۔ وہ فارغ وقت میں تاریخ کا مطالعہ کرتے اور ڈرامیٹک سوسائٹی کی سرگرمیوں میں بھی باقاعدہ حصّہ لیتے لیکن ان سرگرمیوں کو اپنی تعلیم میں حائل نہ ہونے دیتے۔ وہ ۲۸۔ اپریل ۱۸۹۶ء کو بار ایٹ لا کی ڈگری حاصل کرکے سب سے کم عمر ہندُستانی بیرسٹر قرار پائے۔

ان تمام حالات و واقعات کے تجزیہ سے یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ بہ حیثیت طالبِ علم قائداعظم محمد علی جناح کا کردار نہایت شان دار تھا۔ پابندیٔ وقت، محنت، شوقِ مطالعہ، صفائی، نظم و ضبط اور ایمان داری یہ وہ خاص اوصاف تھے جو ایک سچّے طالبِ علم کا پہلا سبق ہوتے ہیں۔

ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے اندر یہ اوصاف پیدا کرنے کی کوشش کریں اور اپنے قائد کے ان اصولوں پر چلیں، جو ہمارے لیے نشانِ راہ ہی نہیں نشانِ منزل بھی ہیں۔ اگرچہ یہ کام مشکل اور کٹھن ہے اگر یقینِ کامل اور جذبہ صادق ہو تو ہم بھی قوم کے لیے باعثِ فخر ثابت ہو سکتے ہیں۔

قائدِ اعظم

پاکستان بنانے والے   قومی شان بڑھانے والے

قائدِ اعظم زندہ باد

قائدِ اعظم زندہ باد

عزّت والے شہرت والے   ہمت والے عظمت والے

قائدِ اعظم زندہ باد

چاند ستارے والا پرچم   اُڑتا ہے کس شان سے ہردم

قائدِ اعظم زندہ باد

حالاتِ قائدِ اعظمؒ

مرسلہ: فاروق احمد خان قندھاری، کراچی

پیدائش ۱۲۹۳ھ مطابق اتوار ۲۵۔ دسمبر ۱۸۷۶ء۔

۱۳۰۰ھ منگل ۵۔ جون ۱۸۸۷ء حسن علی آفندی کے قائم کردہ ادارے سندھ مدرسہ اسلام میں داخلہ۔

۱۸۹۲ء مشن اسکول کراچی میں داخلہ۔

۱۸۹۲ء ایمی بائی سے شادی۔

۱۸۹۲ء یورپ روانگی۔

۱۳۱۱ھ ۱۵۔ جون ۱۸۹۳ء لنکن اِن میں داخلہ۔

۱۸۹۳ء میں ایمی بائی کی وفات۔

۱۸۹۵ء میں والدہ کا انتقال۔

۱۳۱۵ھ ۱۸۹۷ء وکالت کا آغاز۔

۱۳۱۸ھ ۱۹۰۰ء میں بہ حیثیت پریذیڈنسی مجسٹریٹ تقرری۔

۱۳۲۳ھ ۱۹۰۵ء میں دادا بھائی نوروجی کے پرائیویٹ سیکریٹری مقرر ہوئے۔

۱۳۲۴ھ ۱۹۰۶ء میں ہائی کورٹ میں بہ حیثیت ایڈووکیٹ وکالت کے پیشے کا آغاز۔

۱۹۰۹ء میں والد پونجا جناح کا انتقال۔

۱۹۱۸ء میں رتن بائی سے دوسری شادی۔

۱۹۱۹ء میں پہلی بچی دینا کی پیدائش۔

۱۹۲۸ء میں رتن بائی کا انتقال

سیاسی زندگی

۱۳۲۷ھ ۱۹۰۹ء سپریم امپیریل کونسل میں بلامقابلہ منتخب ہوئے۔

۱۳۲۸ھ جمعہ ۲۵۔ فروری ۱۹۱۰ء کو قانون ساز کونسل کے رکن بنے۔

۱۳۲۹ھ مارچ ۱۹۱۱ء میں وقف الاولاد کے ضمن میں مسودۂ قانون پیش کیا۔

۱۳۳۰ھ ۱۹۱۲ء میں مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس منعقدہ کلکتہ میں شرکت۔

۱۳۳۲ھ ۱۹۱۴ء میں کانگریسی وفد کے ایک رکن کی حیثیت سے برطانیہ روانہ ہوئے۔

۱۳۳۹ھ دسمبر ۱۹۲۰ء میں کانگریس سے علاحدگی اختیار کی۔

۱۹۲۳ء میں ممبر امپیریل لیجسلیٹو کونسل بمبئی مقرر ہوئے۔

۱۳۴۶ھ جنوری ۱۹۲۷ء آل پارٹیز کانفرنس میں شرکت کی۔

۱۹۲۷ء میں نیشنل کنونشن کلکتہ میں شرکت کی۔

۱۳۴۸ھ منگل ۲۸۔ مارچ ۱۹۲۹ء چودہ نکات کا اعلان کیا۔

۱۹۳۰ء میں لندن میں منعقدہ گول میز کانفرنس میں شرکت کی۔

۱۳۵۰ھ جمعرات ۱۲۔ نومبر ۱۹۳۱ء کو دوسری گول میز کانفرنس میں شرکت کی اور ہندُستانی سیاست سے عارضی طور پر کنارہ کشی۔

۱۹۳۴ء میں دوبارہ ہندُستان واپسی اور سیاست میں شرکت۔

۱۹۳۴ء میں اسمبلی میں آزاد گروپ کے لیڈر منتخب ہوئے۔

۱۹۳۵ء میں گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کی منظوری۔

۱۹۳۶ء میں انتخابات کے لیے مسلم لیگ پارلیمانی بورڈ کی تشکیل۔

۱۹۳۷ء میں اجلاس لکھنؤ کی صدارت کی۔

۱۹۳۸ء میں اجلاس پٹنہ کی صدارت کی۔

۱۳۵۸ھ نومبر ۱۹۳۹ء میں وائسرائے کی خواہش پر ان سے ملاقات کی۔

۱۹۳۹ء میں رائل کمیشن کے قیام کا مطالبہ کیا۔

۱۹۴۰ء میں قراردادِ لاہور کے اجلاس کی صدارت کی۔

۱۹۴۳ء سی آر فارمولا مسترد ہوا۔

۱۳۵۹ھ ۲۲۔ مارچ ۱۹۴۴ء میں لاہور کے مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس میں قراردادِ پاکستان کی منظوری ہوئی اور وکالت ترک کر کے مسلمانوں کی خدمت کو نصب العین بنایا۔ حکومت برطانیہ کو انتباہ۔

۱۳۶۲ھ جمعرات ۲۶۔ جولائی ۱۹۴۴ء کو ایک خاکسار رفیق صابر نامی ایک شخص نے قائدِ اعظم پر قاتلانہ حملہ کیا۔

۱۳۶۳ھ ۹۔ ستمبر ۱۹۴۴ء میں گاندھی سے ملاقات کی۔

۱۳۶۵ھ ۲۸۔ جون ۱۹۴۵ء میں لارڈ ویول کی بُلائی ہوئی شملہ کانفرنس میں شرکت کی۔

۱۳۶۶ھ یکم اکتوبر ۱۹۴۶ء کو وزارتی مشن کی تجویز کو مسترد کرتے ہوئے راست اقدام کا اعلان کیا اور تمام خطاب یافتہ مسلمانوں نے خطاب واپس کر دیے۔

۱۳۶۶ھ ۱۶۔ اگست ۱۹۴۶ء میں لارڈ ویول کی طرف سے عبوری حکومت کے قیام کا اعلان، قائدِ اعظم کا وائسرائے کی عیّاری پر احتجاج اور عبوری حکومت میں مسلم لیگ کی شمولیت۔

۱۹۴۶ء میں آل انڈیا ریڈیو سے تاریخی خطاب۔

۱۹۴۷ء میں دہلی سے کراچی روانگی۔

۱۹۴۷ء میں دستور ساز اسمبلی میں پہلا خطبہ۔

۱۳۶۷ھ مارچ ۱۹۴۷ء میں لارڈ ماؤنٹ بیٹن کی بہ طور وائسرائے اور گورنر جنرل پاکستان میں آمد، وائسرائے سے ملاقاتیں، پاکستان کے مطالبات۔

۱۳۶۷ھ جمعرات ۱۳۔ جون ۱۹۴۳ء میں کراچی کو دارالحکومت بنانے کا فیصلہ ہوا۔

۱۳۶۷ھ اتوار ۴۔ جولائی ۱۹۴۷ء میں دارالعوام میں قانون آزادی ہند کی منظوری ہوئی۔

۱۳۶۷ھ منگل ۱۱۔ اگست ۱۹۴۷ء میں پاکستان کی مجلس دستور ساز اسمبلی میں خطبۂ استقبالیہ دیا۔

۱۳۶۷ھ جمعرات ۱۳۔ اگست ۱۹۴۷ء میں لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے اعزاز میں کراچی میں دعوت ہوئی۔

۱۳۶۷ھ جمعہ ۱۴۔اگست ۱۹۴۷ء میں پاکستان کا قیام عمل میں آیا۔

۱۳۶۷ھ منگل ۱۸۔اگست ۱۹۴۷ء میں بہ حیثیت گورنر جنرل قوم کے نام پیغام دیا۔

۱۳۶۷ھ اتوار ۲۴۔اکتوبر ۱۹۴۷ء میں عید الضحیٰ کے موقع پر قوم کے نام عید کا پیغام دیا۔

۱۳۶۷ھ ۳۰۔اکتوبر ۱۹۴۷ء میں پنجاب یونی ورسٹی کے کھلے میدان میں قوم سے خطاب کیا اور مہاجرین کو صبر و ضبط کی تلقین کی۔

۱۹۴۷ء کراچی میں پہلی ٹیکسٹائل مل کا سنگِ بنیاد رکھا۔

۱۳۶۸ھ ۲۳۔جنوری ۱۹۴۸ء میں بحری تربیت گاہ دلاور کی رسم افتتاح انجام دی۔

۱۳۶۸ھ ۱۴۔فروری ۱۹۴۸ء میں سبی میں منعقدہ دربار میں شرکت کی۔

۱۳۶۸ھ ۲۱۔مارچ ۱۹۴۸ء میں ڈھاکہ میں تیس لاکھ کے مجمع سے خطاب کیا۔

۱۳۶۸ھ ۱۹۴۸ء میں چٹاگانگ کے جلسۂ عام سے خطاب کیا۔

۱۳۶۸ھ یکم جولائی ۱۹۴۸ء میں اسٹیٹ بینک آف پاکستان کا افتتاح کیا۔

۱۳۶۸ھ ۱۱۔ستمبر ۱۹۴۸ء میں رات نو بجے کراچی بہ ذریعہ ہوائی جہاز آمد اور شب دس بج کر پینتالیس منٹ پر انتقال ہوا۔

بابائے قوم کے حضور

مرسلہ: صادق راہی، ملتان

وطن کے مقدّر کو تو نے سنوارا
کسی موڑ پر تیرا جذبہ نہ ہارا
شرافت کے غنچوں کو بیدار کر کے
صداقت کے گلشن کو تُو نے نکھارا

تری کوششوں سے وطن ہم نے پایا
تری جستجو ہے مقدّر ہمارا
مصائب میں پیچھے نہ ہٹنا بتایا
مہکتا رہے گا یہ گلشن ہمارا

ہمارے وطن کی نشانی سلامت
چمکتا رہے اس کا چاند اور تارا

مولانا احمد رضا خان بریلویؒ

محمد اقبال احمد انصاری، کراچی

مولانا احمد رضا خان بریلوی ۱۰ شوال المکرم ۱۲۷۲ھ مطابق ۱۴۔جون ۱۸۵۶ء میں پیدا ہوئے۔ پیدائشی نام محمد ہے۔ آپ کے دادا نے آپ کا نام احمد رضا رکھا۔

چار سال کی عمر میں قرآن کریم ناظرہ کر لیا۔ شروع میں اردو فارسی کی چند کتابیں مرزا غلام قادر بیگ سے پڑھیں۔ پھر اس کے بعد تمام دینیات کی تعلیم اپنے والد حضرت مولانا نقی علی خان سے مکمل کیں۔ تقریباً چودہ سال کی عمر میں تمام علوم جو کہ اس زمانے میں پڑھائے

جانتے تھے ان سب پر مہارت حاصل کر لی۔

مولانا احمد رضا خاںؒ اپنے وقت کے یگانۂ روزگار عالم، باعمل فقیہ وقت، محدث و مفسر، صوفی اور ولی گزرے ہیں۔ ناموس رسالت کے تحفظ کے لیے انھوں نے قلمی جہاد کیا۔ بعض علمائے عرب و عجم نے انھیں چودھویں صدی کا مجدّد گردانا ہے۔ تحریر و تصنیف میں مولانا کا ایک منفرد مقام ہے، جو بہت کم علما کو نصیب ہوتا ہے۔ تصانیف کی تعداد آٹھ سو سے زائد ہے۔ علمی حیثیت کا یقین تو ان کی تصانیف ہی سے ہوتا ہے اور حیرت انگیز بات یہ ہے کہ حضرت مولانا صرف فقیہ، تفسیر، حدیث اور تصوف ہی کے شہ سوار نہ تھے بلکہ اقلیدس، علم نجوم و جفر، علم ہندسہ وغیرہ کے بھی متبحر عالم تھے۔ علم و عمل کا مجسمہ، جامع معقول و منقول۔

ذہن کا یہ عالم تھا کہ صرف ایک ماہ میں پورا قرآن حفظ کر لیا اور رمضان المبارک میں تراویح میں پورا قرآن پاک سُنا دیا۔ آپ کو عربی زبان پر بھی مہارت کلی حاصل تھی۔ آپ نے بیسویں صدی کے اوائل میں اپنا ایک مدرسہ، منظر اسلام کے نام سے قائم کیا جس میں سیکڑوں طلبہ تعلیم پاتے تھے۔ ان کی زندگی ہی میں اس دار العلوم کو کافی عروج حاصل ہو گیا۔ آپ کا معمول تھا کہ آپ درسِ حدیث باوضو اور کھڑے ہو کر دیتے تھے اور دوسرے طلبہ بیٹھے رہتے تھے۔ سیکڑوں علما اس مدرسے سے فارغ ہو کر نکلے اور بعض تو اپنے وقت کے بڑے عالم بنے۔

علم حدیث، فقہ، تفسیر اور تصوف کے علاوہ مولانا قادر الکلام شاعر دیار حبیب بھی ہیں، اس لیے ان کا ایک خطاب حسان الہندی بھی ہے۔ مولانا کا نعتیہ کلام چھپ کر حدائق بخشش کے نام سے زبان زد خاص و عام ہے۔ کلام کیا ہے دراصل قرآن و حدیث کی تفسیر ہے جو نعتِ رسولؐ میں رطب اللسان ہے۔ عشق مصطفےؐ کی جوت جگاتا ہے۔

مولانا احمد رضا خاںؒ تقریباً ۴۶ سال تک برّصغیر ہند میں دینی خدمات انجام دے کر ۲۵ صفر ۱۳۴۰ ہجری مطابق ۱۹۲۱ء کو بریلی میں انتقال فرما گئے اور وہیں آپ کا مزار مبارک ہے۔

انٹرویو

محمد اسماعیل عبد العزیز، کراچی

موسم خزاں کی اس گرم دوپہر میں ہم نے ان کا انٹرویو کرنے کی ٹھانی۔ ویسے تو یہ ہر مہینے ہی ہم سے ملنے آتے ہیں مگر اس دفعہ جب یکم اکتوبر کو اُن سے ملاقات ہوئی تو کمرے میں پنکھے کی ہوا سے اپنا پسینا سُکھا کر صوفے پر بیٹھتے ہوئے میں نے ان سے اپنی خواہش کا اظہار کیا:

"جناب، آج ہمیں آپ سے انٹرویو لینا ہے، اگر آپ تیار ہوں تو میرے خیال میں آپ کی اچھی اچھی باتیں سُننے سے قبل آپ کا انٹرویو ہو جانا چاہیے۔"

"جو تمھاری مرضی، میں تو تم نونہالوں ہی کے مشوروں سے تیار ہو کر آتا ہوں اور تم سب کی رائے

ہی مجھے عزیز ہے۔" وہ مسکراتے ہوئے بولے۔

"اچھا حضرت! یہ تو بتائیے کہ آپ کب پیدا ہوئے؟" میں نے انٹرویو کا آغاز کیا۔

"ارے یہ، ہاں اللہ بھلا کرے میں جولائی ۱۹۵۳ء میں پیدا ہوا تھا۔" وہ بولے۔

"اچھا تو آپ کی سال گرہ جولائی میں ہوتی ہے۔"

"جی ہاں۔" وہ بڑے اعتماد سے بولے۔

"تو پھر حکیم سعید صاحب کو اور آپ کے دوسرے مُدیر حضرات کو تو خاص نمبر جولائی میں نکالنا چاہیے تھا، بھلا ستمبر میں خاص نمبر نکالنے کی کیا تُک؟" میں نے حیرت بھرے لہجے میں کہا۔

"ارے میاں! تم غلط سمجھے، ستمبر میں تو خاص نمبر نکلتا ہے سال نامہ نہیں اور اگر سال نامہ نکالا تو وہ جولائی ہی میں نکلے گا۔" انھوں نے وضاحت کی۔

"ہوں!" میں اُن کی بات سمجھ کر بولا۔" آپ کا نام ہمدرد نونہال کیوں ہے؟"

"واہ بھئی! بڑا اچھا سوال کیا ہے آپ نے دیکھو میرا نام شروع سے ہمدرد نونہال نہیں رہا سمجھے۔"

"جی!" میں حیران ہو کر بولا۔" میں تو کچھ نہیں سمجھا۔"

"ابھی سمجھ جاؤ گے۔" وہ مسکرائے، رُکے اور پھر بولے، "بھئی میرا نام شروع میں "نونہال" تھا صرف "نونہال" اور اس وقت یہ نام مجھ کو جچتا بھی تھا کیوں کہ میں تھا بھی کم عمر، بچّہ اور نونہال۔ مگر جیسے ہی میں شباب کی حدود میں داخل ہوا تو ظاہر ہے کہ میرا بچپن ختم تھا، جوانی شروع ہوئی تھی۔ میں بچّہ نہ رہا تھا، نونہال نہ رہا تھا اور یہ نام بھی مجھ پر فِٹ نہیں آ رہا تھا۔ لہٰذا میرا نام تبدیل کر کے "ہمدرد نونہال رکھ دیا گیا اور یوں میں تم سب نونہالوں کا ہمدرد بن گیا۔"

میں اس نام کی تشریح سے بہت محظوظ ہوا اور بولا" خوب بہت خوب! واقعی آپ ہمدرد نونہال ہیں۔ پھر میں نے اگلا سوال کیا،" اور آپ کے سرپرست اور مدیر اعلا پہلے کون تھے؟"

"حکیم محمد سعید صاحب ہی پہلے سرپرست ہیں اور برکاتی صاحب ہی پہلے مدیر ہیں۔" وہ بولے۔

"آپ کے پہلے شمارے کی قیمت کیا تھی؟"

"صرف دو آنے۔"

"اوہ!" حیرت زدہ ہو کر میں بولا۔" اچھا سنا ہے کہ آپ کا پہلا شمارہ دوبارہ شائع ہو گا؟ آپ کے اس موقع پر کیا تاثرات ہوں گے؟" وہ سنجیدگی سے بولے،

"آپ خود سوچ لیں کیا ہو سکتے ہیں۔ بس بچپن کی ایک جھلک دیکھ لوں گا، مسرت تو ہو گی ہی۔"

"آپ کے کل کتنے شمارے شائع ہو چکے ہیں اور کسی مہینے ناغہ بھی ہوا ہے؟"

"جی! اب تک (اکتوبر ۱۹۸۴ء) تک کُل تین سو بیاسی شمارے شائع ہو چکے ہیں۔ ناغہ خدا کا فضل ہے کبھی نہیں کیا۔ آخر حکیم صاحب کی صحبت میں رہتا ہوں، اسی کا اثر ہے۔"

"آپ کی تصویروں کا معیار کیوں گر گیا ہے؟"

"بات یہ ہے کہ سمیع صاحب آرٹسٹ کے بعد اقبال ازہیم قریشی (ازق) آئے اور ان کی مصوری سب سے زیادہ پسند کی گئی تھی۔ مصوری کے خراب ہونے کی پہلی وجہ تو یہ ہے کہ ..... خیر جانے دو، بس یہ سمجھ لو کہ اچھی مصوری کی بہتری کی ایک صورت ہے کہ تم سب نونہال مل کر برکاتی صاحب پر زور دو کہ وہ کسی بہت ماہر، مشاق اور تجربہ کار مصور کو ہمدرد نونہال میں شامل کریں اور بچوں سے رائے لیں کہ اس کی مصوری آپ کے معیار کے مطابق ہے یا نہیں۔ اگر پسند نہ ہوئی تو اُس کو ہٹا کر کسی اور کو سامنے لائیں۔"

"سرورق کے بارے میں آپ کچھ کہیں گے کہ یہ پہلے جیسا مقبول کیوں نہیں رہا؟"

"بھئی یہ بات تو نہیں ہے، البتہ ہمارے اکثر نونہال ہاتھ کا بنا ہوا سرورق پسند کرتے ہیں اور اب سرورق کیمرے سے بنایا جاتا ہے۔ ہاں کبھی کبھار ہاتھ سے بنایا ہوا سرورق بھی دے دیا جاتا ہے۔"

"جو حضرات نقل شدہ تحریریں اشاعت کے لیے بھیجتے ہیں ان کے بارے میں آپ کیا کہیں گے؟"

وہ اس سوال کا جواب بڑی مغموم آواز کے ساتھ دیتے ہوئے بولے، "جو نونہال دوسروں کی چیزیں نقل کر کے بھیجتے ہیں اور رسالے میں چھپوانے بھیجتے ہیں وہ جان لیں کہ وہ خود اپنا ہی نقصان کر رہے ہیں۔ وہ ادیب یا بڑا آدمی بننے کا صرف خواب ہی دیکھتے رہیں گے۔ وہ کبھی ادیب نہیں بن سکتے۔ ادب ایسے افراد کو قبول نہیں کرتا جو لکھنے کا ادب نہ جانتے ہوں۔ نقل کر کے لکھنا ادب کی بے ادبی ہے۔ چور راستہ ہر وقت کام نہیں آیا کرتا۔"

وہ کافی جذباتی ہو گئے تھے۔

ان کے اس پُر اثر جواب کو سُننے کے بعد میں نے اگلا سوال کیا، "معلومات عامہ اس قدر مشکل کیوں ہوتی ہے کہ مکمل صحیح جوابات صرف چند نونہال دے پاتے ہیں۔"

"میں نہیں سمجھتا کہ تم معلومات عامہ کو اتنا مشکل کیوں گردانتے ہو۔ ان کے جوابات کے لیے تحقیق و جستجو کرو، بزرگوں اور قابل افراد سے پوچھو، جدّوجہد کرو، جوابات ملنا پھر مشکل نہیں۔"

میں نے اُن سے سوال کرتے ہوئے کہا، "اچھا جناب! یہ بتائیے کہ شامِ ہمدرد، ہمدرد انسائکلو پیڈیا کا سرورق، حلقۂ دوستی، ادھوری کہانی اور آوازِ اخلاق ایسے مستقل سلسلے تھے کہ ہم تمام نونہالوں میں بہت مقبول تھے مگر ان کو بغیر کسی وجہ کے ایک ایک کر کے بند کر دیا گیا یہ کیوں؟"

وہ بولے، "بھئی حلقۂ دوستی تو آپ تمام نونہالوں کے مشورے سے ہی بند کیا گیا ہے۔ آوازِ اخلاق کو مستقل طور پر بند نہیں کیا گیا۔ یہ سلسلہ نئے نئے انداز سے آتا رہتا ہے۔ ہاں جہاں تک شامِ ہمدرد اور انسائکلو پیڈیا کا سرورق ختم کرنے کا سوال ہے، یہ دونوں سلسلے مفید بھی تھے اور مقبول بھی تھے اور ان کو یوں اچانک بند کر دینے کی متعلق

میری بھی سمجھ سے باہر ہے۔ آپ برکاتی صاحب سے معلوم کریں۔"

"اچھا! برکاتی صاحب اور حکیم سعید صاحب کے بارے میں آپ کیا کہیں گے۔" میں نے پوچھا۔

"اوہ، بھئی یہ تو بڑا مشکل سوال ہے حکیم محمد سعید صاحب کی تعریف بھلا میں کیا کروں۔ دراصل میرا وجود حکیم صاحب کی کاوشوں کا مرہونِ منّت ہے اور کام یابی کا سہرا مسعود احمد برکاتی صاحب کے سر ہے۔ دونوں حضرات ہی پاکستانی بچّوں کی فلاح و بہبود کے متمنّی ہیں اور میرا وجود اسی سلسلے کی ایک شاخ ہے۔" انھوں نے بڑی عقیدت سے کہا۔

"نونہال ادیب کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟"

"نونہال ادیب جس محنت اور محبّت سے مجھے مرتب کرنے میں تعاون کرتے ہیں وہ قابلِ احترام ہے۔ جو نونہال محنت سے لکھتے رہے تھے آج وہ اچھے لکھنے والوں میں شمار کیے جاتے ہیں اور جو محنت اور لگن سے لکھ رہے ہیں اِن شاء اللہ کل وہ ہی اچھے اور معیاری ادیب کہلائیں گے۔ میں اپنے نونہال ادیبوں کی کارکردگی سے مطمئن ہوں۔"

میں نے گھڑی پر نظر ڈالی تو ظہر کی نماز کا وقت ہونے والا تھا میں نے انٹرویو کا اختتام کرتے ہوئے ان سے کہا، "معاف کیجیے گا انٹرویو کچھ لمبا ہی ہو گیا اور آپ کا کافی وقت خرچ ہوا۔ بہر حال یہ گفت گو بڑی کار آمد رہی ہے۔ میں گفت گو ختم کرتے ہوئے آپ سے آخری بات یہ کہنا چاہتا ہوں کہ نونہالوں کے نام آپ کا کیا پیغام ہے۔

وہ بڑے ناصحانہ انداز سے بولے، "میں اور میرے مدیر اسی مقصد کو لے کر آگے بڑھ رہے ہیں کہ زمانے میں علم، اخلاق اور صحت کے اصولوں پر عمل عام ہو جائے۔ میں تم سب نونہالوں سے کہتا ہوں کہ تم سب بھی اسی مقصد کو لے کر دنیا میں پھیل جاؤ اور ہر طرف علم اور اخلاق کا بول بالا کرو۔"

توتا

مرسلہ: عروج فاطمہ، حیدر آباد

پچھلے دنوں اِک توتا پالا
اُس کو اِک پنجرے میں ڈالا
اُس کے پاس کٹوری رکھی
اس میں تھوڑی چُوری رکھی
پانی بھی تھوڑا سا ڈالا
دال کا رکھّا ایک پیالا
توتے نے جو چیزیں کھائیں
فوراً بولا ٹائیں ٹائیں
گھر والوں کا نام رٹتا تھا
آنے والوں سے کہتا تھا
تم پنجرے کی کھڑکی کھولو
مجھ سے اردو انگلش بولو
اِک دن پھُر سے اُڑ گیا توتا
پھر وہ میرے ہاتھ نہ آیا

گول گپّے

ثمینہ بشر، بھکّر

ابھی پندرہ دن ہی کی بات ہے، ہماری گلی میں گول گپّے والا صدائیں لگاتا ہوا آ گیا۔ میں نے اور سہیل بھائی جان نے امّی سے کہا کہ آج وہ ہمیں گول گپّے کھلوا دیں۔ امی نے کہا کل گھر میں بنائیں گے۔ ہم سب بہن بھائی بہت خوش ہوئے اور امی کے تمام کام خوشی خوشی کرنے لگے۔ ہم نے گول گپّوں کا تقریباً سارا سامان تیار کردیا۔ اب صرف امّی کا کام رہ گیا تھا۔ صبح ہمیں اسکول جانا تھا، لیکن ہم نے چھٹی کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ ہماری امّی جان کا حکم صادر ہوا کہ اسکول ضرور جانا ہوگا جو اسکول نہیں جائے گا اس کے گول گپّے کا حصّہ کٹ جائے گا لہٰذا ہم بادلِ نخواستہ اسکول گئے۔ اپنی سہیلی نور نالہ کو بھی اپنے گھر آنے کی دعوت دی۔ آخر بڑی مشکل سے چھٹی ہوئی تو گھر آکر ہمیں منھ کی کھانی پڑی۔ آپ لوگ پوچھیں گے کیسے، تو سُنیے وہاں گول گپّوں کا نام و نشان نہ تھا۔ بہت سے جھوٹے برتن ہمارا منھ چڑا رہے تھے۔ ہم نے کہا، "امّی، یہ سب کیا ہے؟" امّی نے کہا، "میری کچھ سہیلیاں آگئی تھیں، تمھیں میں پھر کبھی بنا دوں گی۔" ہم خون کے آنسو پی کر رہ گئے، لیکن ہم بھی ہار ماننے والے نہیں تھے۔ ہم نے پہلے تو اپنی سہیلی کے لیے ایک پلیٹ گول گپّوں کی منگوا کر رکھ دی اور تمام بچّہ پارٹی امّی کے خلاف ترکیب سوچنے لگی۔

آخر ہمارے ذہن میں ایک عمدہ ترکیب آئی۔ وہ ترکیب تھی بھی بہت ہی شان دار۔ امّی اپنی ایک بہت ہی پرانی سہیلی کا ذکر اپنی ایک نئی سہیلی سے کر رہی تھیں۔ وہ سہیلی امّی کو بہت پیاری ہوں گی اُن کا نام شمیم ہے۔ اب ہم کل کا انتظار کرنے لگے۔ اگلے دن ہم نے اسکول سے آکر امّی سے کہا کہ "امّی آپ کی کوئی سہیلی شمیم ہیں۔" امی نے کہا، "ہاں۔" تو ہم نے کہا، "امّی وہ ہمارے اسکول میں آئی ہوئی ہیں۔ یعنی اُن کا ٹرانسفر ہمارے اسکول میں ہوگیا۔ وہ ہم سے کہہ رہی تھیں کہ وہ ہمارے گھر پرسوں آئیں گی۔" امّی کی خوشی کا ٹھکانا نہ رہا۔ امی نے کہا، "ثمینہ، تم کل اُس سے باتوں باتوں میں پوچھنا اُسے کون کون سی چیزیں پسند ہیں۔" اگلے دن ہم نے امّی سے کہا کہ امّی انھیں گول گپّے، شامی کباب، فرنی اور مرغ کا بُھنا ہوا گوشت بہت پسند ہے۔ امّی نے تقریباً ساری چیزیں خود تیار کیں۔ اگلے دن ہمارے اسکول کا "ہاف ڈے" تھا اس لیے ہمیں چھٹّی جلدی مل گئی۔ ہم خوش خوش گھر آئے۔ باورچی خانے سے بہت خوش بُو آرہی تھی۔ امّی نے مجھ سے پوچھا کہ شمیم کتنے بجے ہمارے ہاں آئے گی؟ میں نے کہا دو بجے۔ انھوں نے کہا کہ دو بجے تک تو سب چیزیں تیار کر لوں گی۔

وہ دو بجے تک ساری چیزیں تیار کر چکی تھیں۔ ابّو بھی گھر پہنچ چکے تھے۔ ابّو نے پوچھا کہ آج کسی کی دعوت کر رکھی ہے؟ امّی نے کہا کہ میری سہیلی آرہی ہے۔ ہم نے کہا کہ امّی اب کھانا لگا ہی دیں۔ امّی نے کہا کہ میری سہیلی ابھی تک نہیں آئی۔ جب آجائے گی تب ہی کھائیں گے۔ انتخاب کے صبر کا پیمانہ بالکل لبریز ہوچکا تھا۔ اس لیے

وہ بولا کون سی سہیلی۔ یہ تو ایک طریقہ تھا آپ سے چیزیں تیار کروانے کے لیے۔

امّی نے مجھے بہت ڈانٹ پلائی۔ میں بہت شرمندہ ہوئی۔ میں نے امّی سے فوراً معافی مانگ لی اور ہم دونوں نے جی بھر کر مزے دار کھانے کھائے۔

رات کی چڑیا

کشور رضا، کراچی

یہ کہانی ارجنٹائن کے علاقے میں روایتی داستان کی طرح مشہور چلی آئی ہے۔

امریکا کے جنگلوں میں ہماری کوئل کی قسم کا ایک پرندہ ہوتا ہے، جسے "کاکوئی" کہتے ہیں۔ یہ پرندہ دن کو درختوں میں چھپا رہتا ہے اور راتوں کو اُڑتا پھرتا اور پکارتا رہتا ہے۔ جب وہ پکارتا ہے تو ایسی آواز آتی ہے جیسے کوئی لڑکی "بھیا، بھیا" چیخ رہی ہو۔ اس پرندے کی کہانی بڑی دل چسپ ہے۔

بہت دِنوں کی بات ہے امریکا کے کسی جنگل کے قریب ایک چھوٹا سا جھونپڑا تھا۔ جس میں بھائی اور بہن رہتے تھے۔ ان کا اور کوئی نہ تھا۔ بھائی بہن کو بہت چاہتا تھا اور ہر وقت اسے خوش رکھنے کی فکر میں لگا رہتا تھا۔ وہ دن بھر جنگل میں گھوم کر پھل اور پھول جمع کرتا۔ کبھی جھیل پر جا کر مچھلیاں پکڑتا اور لاکر بہن کو دے دیتا، مگر اس کی بہن بڑی بدمزاج تھی۔ وہ کسی چیز سے خوش ہی نہ ہوتی تھی۔ بھائی جو چیز لاکر دیتا اسے دیکھ کر ناک بھوں چڑھا لیتی، گویا اسے لے کر اُلٹا اس پر احسان کر رہی ہو۔ اور تو اور وہ اُس سے سیدھے منھ بات بھی نہ کرتی تھی۔ بے چارہ بھائی دن بھر کا بھوکا ماندہ شام کو گھر آتا تو اس سے لڑائی جھگڑا کرنے لگتی۔ وہ کبھی بہت ہی تھکا ہوا گھر آتا اور پانی مانگتا تو یہ پیالہ بھر کر لاتی مگر جب بھائی پیالہ لینے کے لیے ہاتھ بڑھاتا تو پانی زمین پر پھینک دیتی اور قہقہے لگاتی۔

بھائی اپنی بہن کی ان باتوں کا بالکل بُرا نہ مانتا، بلکہ دوسرے دن اس سے بھی اچھی چیز بہن کے لیے ڈھونڈنے لگتا۔ وہ سوچتا کہ میں جو چیزیں لاتا ہوں وہ میری بہن کو پسند نہیں آتی ہیں، اس لیے اُسے مجھ پر غصّہ آتا ہے۔ اگر میں ایسی چیز لے آؤں جو اُسے پسند آجائے تو وہ ضرور خوش ہوگی۔ اسی فکر میں وہ ایک دن جنگل میں بہت دُور تک نکل گیا۔ ایک اونچے درخت پر اسے شہد کا چھتّا نظر آیا۔ شہد کا چھتّا دیکھتے ہی وہ خوشی سے اُچھل پڑا اور سوچنے لگا کہ آج تو میری بہن بہت خوش ہو گی۔ وہ شہد کا چھتّا نکالنے کے لیے درخت پر چڑھنے لگا۔ درخت کانٹوں سے بھرا ہوا تھا۔ اس کا سارا بدن لہولہان ہوگیا اور کپڑے بھی پھٹ گئے، مگر بہن کو خوش کرنے کی دُھن میں اس نے کوئی پروا نہیں کی۔ چھتّے کو ہاتھ لگایا تو شہد کی مکّھیاں اس سے لپٹ گئیں، مگر اس نے چھتّا اُتار ہی لیا اور ہانپتا کانپتا، درد سے کراہتا ہوا، زخموں سے چُور گھر پہنچا، مگر اس کی بہن کو نہ بھائی

کی حالت پر رحم آیا اور نہ شہد کا چھتا دیکھ کر اسے خوشی ہوئی۔ اُلٹا وہ اس سے جھگڑنے لگی۔ بھائی نے زخم دھونے اور پینے کے لیے پانی مانگا تو اس نے ہمیشہ کی طرح اس کا مذاق اُڑایا اور اسے دِکھا دِکھا کر سارا پانی پھینک دیا۔

بھائی کو بہن کے اِس سلوک سے بڑا دُکھ ہوا۔ وہ رات بھر درد سے تڑپتا رہا اور سوچتا رہا کہ آخر میری بہن ایسا سلوک کیوں کرتی ہے۔

صبح ہوئی تو اس نے اُٹھ کر پہلے تو جھونپڑی کے اندر خوب غور سے دیکھا اور پھر باہر اُس چھوٹے سے باغیچے کو دیکھا جسے اس نے بڑی محنت سے لگایا تھا۔ جھونپڑی کے اندر ہر چیز بکھری ہوئی تھی۔ اسے ہر طرف گندگی نظر آئی۔ باغیچے کے سارے پودے سوکھ گئے تھے۔ اب اُسے پتا چلا کہ اس کی بہن کتنی بے پروا اور غافل ہے۔ نہ گھر کی صفائی کرتی ہے اور نہ باغیچے میں پودوں کو پانی دیتی ہے۔ یہ سب دیکھ کر اسے یقین ہو گیا کہ دراصل اس کی بہن خود غرض ہے۔ اسے اپنے سوا کسی کی فکر نہیں ہے۔ اِن باتوں سے اُسے بڑا دکھ ہوا۔ وہ رنجیدہ ہو کر جنگل کی طرف چلا گیا۔

چلتے چلتے اس نے سوچا کہ آخر کب تک وہ اپنی بہن کی خود غرضی برداشت کرے گا۔ اس نے اسے سزا دینے کی ٹھانی۔ اس کے ذہن میں ایک ترکیب آئی اور وہ سیدھا گھر پہنچا۔ بہن سے کہنے لگا کہ آج جنگل میں ایک درخت پر میں نے ایسا خوب صورت اور مزے دار پھل دیکھا ہے کہ بس کیا کہوں، تم دیکھو تو مارے خوشی کے لوٹ پوٹ ہو جاؤ۔ بہن تو تھی ہی خود غرض، اُسے ہمیشہ اپنی خوشی کی فکر رہتی تھی۔ یہ سُن کر بھائی سے لڑنے لگی کہ تم وہ پھل میرے لیے کیوں نہیں لے کر آئے۔ بھائی نے کہا کہ تمھیں بھی ساتھ چلنا ہوگا ورنہ تم اس کی خوب صورتی کا اندازہ نہ کر سکو گی۔

بہن فوراً اس کے ساتھ جانے کے لیے تیار ہو گئی۔ بھائی بہن کو لے کر چل پڑا۔ وہ جنگل میں جب بہت دُور چلے گئے تو ایک اونچے درخت کے پاس پہنچ کر بھائی نے کہا کہ وہ پھل اس درخت کے اوپر ہے۔ بہن نے اوپر کی طرف غور سے دیکھا اور کہنے لگی، "کہاں ہے، مجھے تو نظر نہیں آتا۔" بھائی نے کہا، "یوں نہیں نظر آئے گا پہلے تم اوپر چڑھو۔" بہن پھل کی دُھن میں بہت تیزی کے ساتھ درخت پر چڑھنے لگی۔ وہ آدھی سے زیادہ بلندی تک پہنچ گئی مگر نہ کوئی اسے پھل نظر آیا نہ پھول۔ وہ لگی بھائی پر غصّہ ہونے۔ بھائی نے جو اس کے پیچھے پیچھے آرہا تھا پکار کر کہا کہ پھل تو درخت کی چوٹی پر ہے ابھی کیسے نظر آئے گا۔" بہن اور اوپر چڑھی۔ جب وہ درخت کی چوٹی پر پہنچ گئی اور وہاں بھی کوئی پھل نظر نہ آیا تو اس نے نیچے کی طرف دیکھا کہ بھائی کو ڈانٹے، مگر نیچے کی طرف نظر کی تو دیکھا کہ بھائی بڑی تیزی سے نیچے اُتر رہا ہے اور اترتے اترتے اس نے کلہاڑی سے درخت کی ساری شاخیں کاٹ ڈالی ہیں۔ اب تو بہن بہت سٹپٹائی۔ شاخیں کٹ جانے کی وجہ سے نیچے

اترنے کا کوئی سہارا نہیں تھا۔ وہ ڈر اور خوف سے کانپنے لگی اور کہنے لگی، "بھیا بھیا" مگر بھائی نے کوئی جواب نہیں دیا اور چپ چاپ اُتر کر گھر کی طرف چل پڑا۔

اب بہن چیخیں مار مار کر رونے لگی، مگر سننے والا کون تھا۔ وہ یونہی "بھیا، بھیا" پکار رہی تھی کہ اچانک اُس کے بازو پروں میں تبدیل ہو گئے اور وہ دیکھتے دیکھتے چڑیا بن گئی۔ بس اس دن سے وہ چڑیا بنی ہوئی اپنے بھیا کو پکارتی رہتی ہے۔ اس نے اپنے بھائی کے ساتھ جو بد سلوکی کی تھی اس پر اُسے اتنی شرم آتی تھی کہ دن کے وقت وہ کسی کو اپنا منہ نہیں دکھاتی اور رات کے وقت بھائی کو ڈھونڈتے ہوئے جنگل میں ایک درخت سے دوسرے درخت تک اُڑتی پھرتی ہے۔

حکیم محمد سعید

مرسلہ: طارق جاوید، کراچی

دُھن کے پکّے، قول کے سچّے
رہ بر ہیں وہ کتنے اچھّے

ہمدرد اپنے وطن کے ہیں
زینت پاک چمن کے ہیں

سچّی بات بتانے والے
سیدھی راہ دکھانے والے

مُوجِد اچھے کاموں کے
ناظم علمی شاموں کے

جاگو جگاؤ لکھتے ہیں
نبض پہ انگلی رکھتے ہیں

اللہ اُن کو قائم رکھے
سر پہ ہمارے دائم رکھے

ساٹھ رُپے کا انڈا

محمد عران الحق، لانڈھی

دسمبر کا مہینہ تھا۔ سردیاں عروج پر تھیں۔ انڈے کھانے کو جی چاہ رہا تھا، لیکن ملتے تھے ڈنڈے۔ ایک دفعہ ہم بازار سے گزر رہے تھے کہ ہماری نظر ایک مُرغی والے کی دُکان پر پڑی۔ بس پھر کیا تھا، ہم نے منصوبہ بنانا شروع کر دیا۔ یعنی خیالی پلاؤ پکانا شروع کر دیے کہ ہم ایک مرغی لے جائیں گے اور وہ ہر روز ایک انڈا دے گی، جو ہم روز مزے لے لے کر کھایا کریں گے۔ ہم جھٹ پٹ گھر پہنچے۔ گھر پہنچ کر اپنا گلا توڑ ڈالا۔ گلے میں کُل پچپن رُپے نکلے، جو ہم نے بڑی مشکل سے جمع کیے تھے۔ ہم جلدی جلدی مرغی والے کی دُکان پر پہنچے اور مرغی کی قیمت پوچھی۔ مرغی والے نے اس کی قیمت اس طرح بتائی: "خوچہ تیس رُپیہ"۔ یہ سُن کر ہمارے حواس گم ہو گئے۔

ہم نے ڈرتے ڈرتے کہا: "دام کچھ کم نہیں ہو سکتے؟"

خان صاحب بولے: "خوچہ نہیں"۔ ہم نے چار و ناچار مرغی خرید لی۔ مرغی لے کر ہم گھر آ گئے۔ مرغی کو چھوڑا تو اُس نے وہ اودھم مچایا کہ توبہ ہی بھلی۔ بڑی مشکل سے

اُسے پکڑا، لیکن اب مصیبت یہ تھی کہ اسے بند کہاں کریں۔ یہ سوچ کر ہم نے اپنے آپ پر لعنت بھیجی اور بقایا رقم لے کر بڑھئی کی دُکان پر گئے۔ بڑھئی نے دڑبے کی قیمت تیس رُپے بتائی۔ ہم سوچ میں پڑ گئے کہ اب پانچ رُپے کہاں سے لائیں امی کی بہت منت سماجت کی تو انھوں نے پانچ رُپے دیے۔ قیمت دے کر ہم دڑبا لے آئے۔ مرغی کو ڈربے میں بند کر دیا۔ رات کو ہم نے مزے مزے کے خواب دیکھے کہ ہم انڈے کھا رہے ہیں۔ صبح ہم نے خوشی خوشی دڑبا کھولا تو وہاں ایک انڈا پڑا تھا۔ ہم نے لپک کر اسے اُٹھالیا اور تل کر مزے سے کھایا۔ بدقسمتی سے ہم اُس رات دڑبے پر ٹاٹ ڈالنا بھول گئے، صبح کو ہم نے جو اُٹھ کر دڑبا کھولا تو وہاں انڈے کے بجائے مرغی صاحبہ کی لاش اکڑی ہوئی پڑی تھی۔ ہم یہ منظر دیکھ کر غش کھا کر گر پڑے۔ جب ہوش آیا تو دڑبے کی طرف دیکھا وہاں مُردہ مرغی بھی نہ تھی۔ باہر بچے اُس کا پوسٹ مارٹم کر رہے تھے۔ پھر ہمیں ایک مثال یاد آگئی "کھودا پہاڑ، نکلا چوہا"۔ یعنی ایک انڈا ہمیں ساٹھ رُپے کا پڑا جسے ہم بازار سے پچھتر پیسے کا خرید سکتے تھے۔ اس سے ہم نے یہ سبق سیکھا کہ آئندہ کوئی ایسا کام نہیں کریں گے جس کی مہارت نہ ہو۔

شرارت سے توبہ

زہرہ جبیں، سعود آباد

ہمارے گاؤں میں ایک لڑکا رہتا تھا جس کا نام جانو تھا۔ جانو کی ایک چھوٹی بہن بھی تھی اس کا نام شبانہ تھا۔ جانو چوتھی جماعت میں پڑھتا تھا، لیکن ہر سال فیل ہو جاتا۔ فیل ہو جانے کی وجہ اس کی شرارتیں تھیں۔ جانو کے استاد اسے بہت سمجھاتے کہ بیٹا، محنت اور لگن سے پڑھا کرو اور اپنی شرارتیں چھوڑ دو، لیکن جانو ایک کان سے سُنتا دوسرے کان سے اُڑا دیتا۔ جانو کے ماں باپ بھی اس کی شرارتوں سے بہت پریشان تھے۔ آئے دن انھیں لوگوں کے سامنے شرمندہ ہونا پڑتا۔ جانو کی بہن شبانہ جانو کو سمجھاتی، "بھیا، تم شرارتیں کیوں کرتے ہو اور امی ابّو کو کیوں پریشان کرتے ہو۔" مگر ان سوالوں کا جواب جانو نے کبھی نہیں دیا۔

جانو کی شرارتوں میں روز بہ روز اضافہ ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ جانو نے اسکول جانا بھی چھوڑ دیا۔ سارا سارا دن شریر لڑکوں کے ساتھ کھیلتا رہتا۔ ایک دن بہت بھیانک واقعہ پیش آیا۔ ہوا یوں کہ جانو اور اس کے دوست چوری چھپے امرودوں کے باغ میں گئے۔ باغ میں جانے سے پہلے جانو نے شبانہ سے کہا کہ تم بھی میرے ساتھ چلو۔"

"نہیں بھیا، چوری کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتے ہیں۔ میں اس چوری میں شریک نہیں ہو سکتی۔"

"اگر تم نہیں جاؤ گی تو میں تمھیں امرود نہیں دوں گا۔" جانو نے شبانہ سے کہا۔ شبانہ بہت اچھی بچی تھی۔ اس نے کہا، "نہیں بھیا، آج تم گھر پر ہی رہنا۔ میں اور امی چچی کے گھر جا رہے ہیں اور ہم لوگ شام تک آئیں گے۔ بھیا تم

امرود توڑتے نہ جاؤ چوری بہت بُری بات ہے۔" مگر جانو نہیں مانا وہ اپنے دوستوں کے ساتھ باغ میں چلا گیا۔

ایک درخت پر جانو چڑھ گیا اور دوسرے درخت پر اس کے دوست چڑھ گئے۔ جانو جس درخت پر چڑھا تھا اس پر شہد کی مکھیوں کا چھتّا تھا۔ شہد کی مکھیوں نے جانو پر حملہ کر دیا۔ جانو نے چیخنا چلّانا شروع کر دیا۔ جانو کی چیخیں سُن کر اس کے دوست وہاں آگئے۔ جب انھوں نے یہ منظر دیکھا تو حیران رہ گئے۔ "میرے دوستو مجھے اس مصیبت سے نجات دلاؤ۔"

"نہیں جانو، اگر ہم نے تم کو اس مصیبت سے نجات دلائی تو ہم خود بھی اس مصیبت میں پھنس جائیں گے۔ اس لیے اب ہم اپنے گھر جا رہے ہیں۔ اگر تم اسی طرح شور مچاتے رہے تو باغ کا مالک یہاں آجائے گا اور پھر ہمارے کان پکڑ کر ہمارے ماں باپ کے پاس لے جائے گا۔"

جانو نے کہا، "تم دھوکے باز ہو۔ مجھے اس مشکل سے نہیں نکال رہے ہو۔ میں آج کے بعد سے تمھارا دوست نہیں ہوں۔ دوست تو وہ ہے جو مشکل میں کام آتا ہے۔ مگر تم لوگ کیسے دوست ہو۔" دوستوں نے کہا، "مجبوری ہے، ہم اس مصیبت میں پڑنا نہیں چاہتے، اچھا خدا حافظ۔" جانو کو بھی اپنی بے بسی پر بہت رونا آیا۔ درخت سے بہت مشکل سے نیچے اُترا اور گھر کی طرف بھاگا۔ مکھیوں نے اس کا پیچھا نہ چھوڑا۔ گرتے پڑتے وہ گھر پہنچ تو گیا، مگر گھر میں کوئی بھی نہیں تھا جو جانو کی دیکھ بھال کرتا۔ جانو چارپائی پر لیٹ گیا۔ اُسے اپنے دوستوں پر بہت غصہ آرہا تھا اور جہاں مکھیوں نے کاٹا تھا وہاں بہت درد ہو رہا تھا۔ خدا خدا کر کے شام ہوئی اور جانو کی امی اور بہن گھر آئیں تو جانو کی یہ حالت دیکھ کر انھیں بہت افسوس ہوا۔ جانو نے سارا واقعہ انھیں سنایا۔ جانو نے کہا، "امی، میں نے کبھی آپ کی بات نہیں مانی، ہمیشہ آپ کا دل دکھایا تھا اور شبانہ کا کہنا بھی کبھی نہیں مانا۔ آپ مجھے معاف کر دیجیے۔ اب میں کبھی آپ کو نہیں ستاؤں گا اور روزانہ اسکول جاؤں گا۔ ایک اچھا بچّہ بن جاؤں گا۔ مجھے میرے کیے کی سزا مل گئی ہے۔"

میرے نوجوانوں

مرسلہ: خواجہ مظفر حسن صدیقی، کراچی

اے میرے نوجوانوں کچھ کر کے تم دکھاؤ
باتیں نہ تم بناؤ، کچھ کر کے تم دکھاؤ

آپس میں مت لڑو تم تنظیم سے رہو تم
قائد کے قول کو تم سچّا ہی کر دکھاؤ

دشمن کی اب نگاہیں ہیں پاک سرزمیں پے
ملّت کے دشمنوں کو ہستی سے تم مٹاؤ

اب ملک کی سرحدوں کو کچھ آس ہے تمھیں سے
اتنے رہو نہ غافل، جاگو اور جگاؤ

قربانیاں جو دی تھیں ماضی پہ اِک نظر ہو
نہ رائیگاں وہ جائیں دھوکا کہیں نہ کھاؤ

یہ مختصر سی باتیں زندہ رہیں مظفر
ان کو کبھی نہ بھولو تم جہاں کہیں بھی جاؤ

آسیب

مرسلہ: طاہر جاوید، کراچی

کچھ مکان ایسے بھی تھے کہ جنھیں پڑوسیوں نے جان بوجھ کر بدنام کر رکھا تھا تاکہ کوئی کرائے دار نہ آسکے۔ اگر آتا تو رات کو پتھر پھینک کر یا پُراسرار روشنیوں اور آوازوں سے ڈرا دیتے، اس لیے کہ مکان خالی رہے اور وقتِ ضرورت استعمال کیا جائے۔ جب کبھی مجھے کسی ایسے مکان میں سونے کا اتفاق ہوا تو خوف ناک کہانیوں سے پہلے ہی اتنا ڈرا دیا جاتا کہ رات ہوتے ہی کچھ نہ کچھ ہونے لگتا۔ ایک دفعہ جب میں سونے کی کوشش کر رہا تھا تو سامنے دیوار پر ایک مگر مچھ دکھائی دیا۔ سوچا، مگر مچھ پانی کے قریب ہوا کرتا ہے اس دیوار پر چڑھنا تو بالکل ناممکن ہے، مگر سامنے ہو بہو مگر مچھ تھا۔ پھر اس نے ایک لوٹڑی نُما چیز کا تعاقب کیا۔ ہمت کر کے اُٹھا تو دیکھا کہ دوسرے کمرے کی روشنی ایک پیالہ نما شیشے اور چھپکلی پر اس طرح پڑ رہی ہے کہ سامنے والی دیوار پر ہر شے کا عکس کئی گنا نظر آ رہا ہے اور یہ کہ چھپکلی نے ایک پتنگے کا تعاقب کیا تھا۔

پھر ایسے ہی مکان کے ایک کمرے میں سونا پڑا جسے وہ ڈرائنگ روم کہہ رہے تھے مگر مجھے وہاں ڈرائنگ کا کوئی سامان نہ ملا۔ آنکھیں بند کر کے نیند کا انتظار کرنے لگا۔ دن بھر جو خرافات سُنی تھیں کانوں میں گونجنے لگیں۔ دفعتہً کیا دیکھتا ہوں کہ ایک پانچ فیٹ اونچی چیز دروازے کے پاس پُراسرار انداز میں کھڑی ہے۔ میں نے کروٹ بدل لی کہ اسے نظر انداز کر دوں تو شاید ٹل جائے، لیکن وہ نہ ہٹی جیسے خم ٹھونک کر میرا انتظار کر رہی ہو۔ آخر مجھے غصہ آیا تو اس سے مقابلہ کرنے کے لیے اُٹھنا ہی پڑا۔ جوں جوں میں آگے بڑھا وہ چیز بھی میری طرف حملہ آور ہوئی۔ آخر میں نے چھلانگ لگا کر اسے ایک ڈبل کِک ماری۔ چشم زدن میں، میں اوپر تھا اور بجلی کا بڑا فرشی پنکھا میرے اوپر اور اس کے تاروں میں میرے پاؤں اُلجھے ہوئے تھے۔

ایک اور آسیب زدہ مکان میں خوف سے یوں محسوس ہوا کہ اپنی بائیں ٹانگ گنوا بیٹھا ہوں۔ پھر پتا چلا کہ پائجامہ پہنتے وقت دونوں پاؤں جلدی میں داہنی طرف کے پائنچے میں ڈال دیے تھے اور بایاں پائنچا خالی پڑا تھا، جسے ٹٹول کر ڈرتا رہا۔ پھر ایسے ہی کئی واقعات کے بعد اس نتیجے پر پہنچا کہ آسیب وغیرہ سب فرضی ہیں۔

— شفیق الرحمٰن

ردّی کی ٹوکری

رُعتاج، کراچی

اتوار کے دن میں اسکول پہنچی تو میری عزیز سہیلی شبانہ کلاس کے دروازے پر کھڑی میرا انتظار کر رہی تھی۔ مجھے دیکھتے ہی خوشی سے کہنے لگی، "جلدی آؤ، دیکھو میں تمھارے لیے کیسی خوشی کی بات لائی ہوں۔ میری کہانی نونہال میں چھپ گئی ہے۔" میں نے جلدی سے اس سے نونہال لے کر پڑھا۔ اس کی کہانی بہت اچھی تھی۔ اس

کی کہانی کے بعد میں نے سوچا، پورا نونہال پڑھ لوں۔ پہلی بار رسالہ نونہال پڑھا۔ اس کے مضمون اور تحریریں دل کی گہرائیوں میں اُتر گئیں اور اس کے بعد میں نونہال کی مستقل قاری بن گئی۔ ہر ماہ خرید کر پڑھنے لگی۔ بچّوں کی اتنی اچھی اچھی تحریریں پڑھ کر میرا دل چاہا کہ میں بھی کوئی کہانی لکھوں۔ یہ سوچ کر میں نے قلم اٹھایا اور کہانی لکھنے بیٹھ گئی۔ میں پڑھنے میں بھی کافی اچھی ہوں، پھر بھی میرے دماغ میں کوئی بات نہ آئی۔ میں نے سوچا اس وقت میرا ذہن تھکا ہوا ہے، اس لیے آرام کرنے لیٹ گئی۔ دوسرے دن کہانی لکھنا شروع کی، پھر جیسے تیسے کر کے ایک کہانی لکھ ڈالی اور نونہال کے پتے پر ڈال دی۔ ایک ماہ گزر گیا۔ میری کہانی نہ چھپی۔ دوسرے مہینے میں نے خط لکھا۔ انھوں نے خط کا بھی جواب نہ دیا۔ مجھے بڑا غصہ آیا۔ نونہال میں کئی بچّوں کی بڑی اچھی اور دو دو تین تین تحریریں شائع ہوتی ہیں، لیکن میری کہانی کا تو نام نشان نہ تھا۔ چناں چہ میں اپنی سہیلی شبانہ کے پاس گئی اور اس سے پوچھا کہ تمھاری کہانی کس طرح شائع ہوئی۔ میری کہانی تو تین ماہ ہو گئے، اب تک شائع نہیں ہوئی۔ تو شبانہ کہنے لگی، "تمھیں معلوم ہے ایڈیٹر صاحب کے پاس ایک ردّی کی ٹوکری بھی ہوتی ہے۔ وہ جس کی چاہتے ہیں تحریر اُٹھا کر اس ردّی کی منحوس ٹوکری کی زینت بنا دیتے ہیں۔ تمھاری کہانی بھی اس ٹوکری کی نظر ہو گئی ہوگی۔ مجھے دُکھ ہوا۔ اس کے بعد میں نے ایڈیٹر صاحب کو ایک مفصّل خط لکھا۔ چند دن بعد ان کا جواب آیا کہ تمھاری کہانی رکھ لی گئی ہے۔ نمبر آنے پر شائع ہو گی۔ چوں کہ ہزاروں کہانیاں روز ہمیں ملتی ہیں اس لیے نمبر سے رکھتے جاتے ہیں۔ نمبر دیر سے آتا ہے۔ بعض نونہال سمجھتے ہیں کہ ان کی کہانی "ردّی کی ٹوکری" کی نذر ہو گئی۔ ایڈیٹر صاحب کا خط پڑھ کر غلط فہمی دُور ہوئی اور خیال آیا کہ تحقیق کے بغیر کوئی بات نہیں ماننی چاہیے۔

میرے محسن

مرسلہ: مظہر انصاری، شورکوٹ کینٹ

ایک کونپل کی مانند میں تھا   زیورِ علم بخشا ہے تُو نے
میری پیشانیوں کو جلا دی   دردِ دل مجھ کو بخشا ہے تُو نے

میری تقدیر کا تو نگہباں
میری تحریر تیری وفا ہے
تیری عظمت رہے گی سہارا
زندگی میں جہاں جُستجو ہے

نرم شاخوں کی مانند میں تھا   خوب ان کو بنایا سنوارا
آج تیر و کماں بن گیا ہوں   عظمتوں کا نشاں بن گیا ہوں

جو میں پڑھ لکھ کے آگے بڑھوں گا
اس چمن کو بُھلا نہ سکوں گا
اس میں گزرا ہوا ایک اک پل
اس میں بیتے ہوئے روز و شب کو

تیرے سائے میں پروان چڑھ کے   میں وطن کا مجاہد بنوں گا
جو میں پڑھ لکھ کے آگے بڑھوں گا

★ اکتوبر کا شمارہ ملا۔ پڑھ کر دل خوش ہوا۔ نونہال کا نعرہ ہر شمارہ خاص شمارہ اس بارے میں ایک واقعہ عرض ہے کہ میرا دوست جو نونہال کا قاری ہے مجھ سے کہنے لگا کہ مجھے نونہال کا خاص شمارہ دو پڑھنے کے لیے۔ میں نے اسے خاص نمبر دیا تو وہ کہنے لگا، یہ تو میں نے پڑھ لیا ہے۔ اس ماہ کا دو تو میں نے اس سے کہا کہ اس ماہ کا تو کوئی خاص شمارہ نہیں نکلا ہے تو اس نے کہا کہ ایک ہاکر کو میں نے یہ کہتے سنا تھا کہ نونہال کا خاص شمارہ آگیا۔ تو میری نظر ان الفاظ پر گئی جو پہلی بات میں لکھی تھی کہ ہمارا نعرہ" نونہال کا ہر شمارہ خاص شمارہ" تو میں ہنسے بغیر نہ رہ سکا۔ حقیقتاً یہ بالکل صحیح ہے کہ نونہال اپنی دل کشی اور علم کے خزانے سے بھرپور ہے۔

سیف الرحمٰن کلسی، شاہ پور چاکر

★ اکتوبر کا رسالہ بہت پسند آیا خاص طور پر فقیر اور ہرن، آٹھواں بیٹا، جاگو جگاؤ بہت خوب تھے۔ جناب عبدالواحد سندھی سے مسعود احمد برکاتی صاحب کا انٹرویو بھی بہت پسند آیا۔ ہر ماہ ایک یا دو مشہور شخصیتوں کے انٹرویو نونہال میں شائع ہونے چاہییں۔

پرنس محمد عمران شاہین، بہاول نگر

★ ہمارے دوست اور ہمدرد جناب حکیم محمد سعید کی تحریر جاگو جگاؤ پڑھی جس نے بہت متاثر کیا۔ اس کے بعد بچوں کے اقبال کے عنوان سے ایک تحریر آنکھوں کے سامنے آئی۔ میں حضرت علامہ اقبال سے بہت متاثر ہوں۔ یہ تحریر پڑھ کر ان کے بارے میں کچھ اور معلومات حاصل ہوئیں۔ پروفیسر رشید مرحوم کی تحریر توتا کہانی بہت اچھی تھی۔ کہانیوں میں حرصو اور رحو اور پتھر دل پسند آئیں۔ لطیفے اس بار اچھے تھے۔

قنبر علی لغاری، حیدر آباد

★ خاص نمبر میں مجھے جوتوں کا تماشا، بھو کا سنار اور چالاک خرگوش بہت ہی پسند آئیں۔ لطیفے بھی اچھے تھے۔ باقی تمام چیزیں اچھی تھیں۔ اکتوبر کا شمارہ بھی بہت اچھا تھا۔

روبینہ فرید، کراچی

★ میں نونہال تقریباً دو سال سے پڑھ رہا ہوں، لیکن خط لکھنے کی زحمت پہلی بار کر رہا ہوں۔ میں سندھی ہوں اگر خط میں کہیں کوئی غلطی ہو تو معاف کر دیجیے گا۔

شوکت علی نوناری، نوشہرو فیروز

> آپ نے کوئی غلطی نہیں کی۔ آپ نے بہت اچھی اردو لکھی ہے۔ ماشاء اللہ۔

★ کہانیوں میں چالاک خرگوش سب سے زیادہ پسند آئی۔ واقعی بہت اچھی کہانی ہے، لیکن دوسری کہانیاں بھی سبق آموز تھیں۔ جن میں جناب علی اسد کی کہانی فقیر اور ہرن شامل ہے۔ ہمیں آپ سے شکایت ہے کہ آپ نے رسالہ بہت چھوٹا کر دیا ہے۔ آدھے گھنٹے میں ختم ہو جاتا ہے۔ اس کے اوراق بڑھا دیجیے۔

اعجاز بشیر، کراچی

★ میری نگاہ میں نونہال سب رسالوں سے بڑھ کر ہے، کیوں کہ کہانیاں بہت ہی مزے دار اور دل چسپ ہوتی ہیں۔ اگر میں اپنی تصویر روانہ کروں تو کیا آپ اُسے چھاپ دیں گے؟

عبدالوہاب آفتاب، گوادر

> آپ اگر دس سال سے کم ہیں تو صحت مند نونہال میں تصویر شائع ہو جائے گی۔

★ ہمدرد نونہال ایک ایسا پھول ہے جس سے پورا گلستان معطر ہو رہا ہے۔ نومبر کے نونہال کی تمام کاوشیں بہترین تھیں۔

عطیہ فرحین، جامشورو

★ کہانیوں میں چالاک خرگوش، آٹھواں بیٹا بہت پسند آئیں۔ لطیفوں کا معیار بہتر تھا۔

عامر قادری، کراچی

★ تمام کہانیاں دل چسپ اور عمدہ تھیں۔ جاگو جگاؤ جو کہ ملک کے نونہالوں کے لیے اصلاح اور رہنمائی کا کام سرانجام دے رہا ہے اپنے نقطۂ عروج پر ہے۔ محمد عاطف شیخ، نواب شاہ

★ ستمبر کا خاص نمبر پڑھا۔ پہلی بات بہت پسند آئی۔ ساری کہانیاں دل چسپ اور اچھی تھیں۔ نانگرا آبشار کی سیر پڑھ کر تو ایسا لگا کہ جیسے ہم خود اس کے سامنے کھڑے نظارہ کر رہے ہیں۔ نونہال مصوّر کی ساری تصویریں دل کو لگیں۔ ایک انوکھا انٹرویو واقعی انوکھا اور دل چسپ تھا۔ اپنا ایپرن خود بنائیں اور گھر یلو چٹکلے بھی بہت اچھا تھا

سیدہ سعدیہ انجم عرف ستارہ

★ ٹائیٹل اتنا دل کش تھا کہ بار بار دیکھنے کو جی چاہتا ہے۔ کہانیاں سب اچھی تھیں، صرف ایک دو نے بور کیا۔ مضامین کے انتخاب میں معلوماتی اور تفریحی مضامین سر فہرست رکھیں۔ آپ لوگ ہمدرد نونہال بہت محنت سے تیار کرتے ہیں۔ نونہال میں ہر وہ چیز ہوتی ہے جس کی ہمیں تمنا ہوتی ہے۔ نونہال میں جاگو جگاؤ اور پہلی بات رسالے کی جان ہوتی ہے۔ انھیں مستقل کر دیں۔ نونہالوں کی اخلاقی اور اسلامی تعلیم کے لیے اس سے بہتر کوئی ذریعہ نہیں۔

وفا اللہ بخش کلوڑ، کشمور سندھ

★ اکتوبر کا نونہال بہت پسند آیا۔ آپ نونہال میں جاسوسی کہانیوں کا سلسلہ شروع کر دیں اور انعامی مقابلوں کا سلسلہ شروع کر دیں۔ اس خط کا جواب ضرور دیجیے گا۔ سمیرا اسکندر

★ اکتوبر کے مہینے کا رسالہ میرے ہاتھ میں آیا تو میں پھولی نہیں سمائی۔ آدھے گھنٹے میں پورا رسالہ حفظ کر لیا۔ میں نے اکثر نونہال میں نظمیں دیکھیں ہیں جن کے سامنے نظم کے مطابق تصویر بھی بنی ہے، کیا جو نظم لکھتا ہے وہ اس کی تصویر بھی بنا کر بھیجتا ہے یا نہیں؟ سلمیٰ، کراچی

جی نہیں، تصویریں تو ہم آرٹسٹ سے بنواتے ہیں۔

★ سرورق بہت خوب صورت تھا۔ نونہال کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے۔ آپ نونہال کو ماہ نامہ کے بجائے پندرہ روزہ کا کر دیں تو بہتر ہے۔

فضیلت رخسانہ

★ آپ ہر مہینے کے رسالے میں ملک کے کسی ادیب یا حکیم محمد سعید جیسے نامور شخصیت سے رسالے میں انٹرویو لیا کریں۔ خاص نمبر میں حکیم محمد سعید کا انٹرویو پڑھا۔ اچھا لگا۔ بچوں نے ان سے اچھے سوالات کیے۔ انٹرویو لینے سے ہم سب نونہالوں کو معلوم ہو سکا کہ پاکستان جیسے ملک میں کیسی کیسی شخصیتیں موجود ہیں۔

مبشر احمد، کراچی

★ اکتوبر کا نونہال بہت اچھا تھا۔ خاص طور پر لطائف۔

کاشف ظفر علی خان، کراچی

★ جیسے جیسے دن گزرتے جا رہے ہیں نونہال اچھا ہوتا جا رہا ہے۔ اکتوبر ۱۹۸۴ء کے نونہال میں خاص طور پر جاگو جگاؤ، خیال کے پھول، فقیر اور ہرن، کارٹون، چالاک خرگوش، اخبارِ نونہال اور ہمدرد انسائکلوپیڈیا بہت پسند آئے۔ عقیل احمد، کراچی

★ سرورق اچھا تھا۔ جاگو جگاؤ جو کہ رسالے کی جان بن گیا ہے بے حد متاثر کن اور لاجواب تھا۔ کہانیوں میں آٹھواں بیٹا اور ذہانت کا امتحان عمدہ کہانیاں تھیں۔

محمد عدنان شیخ، نواب شاہ

★ بچوں کے بزرگ ادیب جناب عبدالواحد سندھی سے ملاقات بہت اچھی رہی اور اس کے علاوہ جناب ساجد علی ساجد کا اولمپک جھلکیاں بھی بہت دل چسپ اور معلوماتی تھا۔ ان کا اندازِ تحریر بہت دل کش ہے۔ جانوروں کے گھوڑوں کے بارے میں پڑھ کر بہت حیرت ہوئی اور معلومات میں بھی خاطر خواہ اضافہ ہوا۔ اخبارِ نونہال میں آپ نے میرا نام لکھنے کے بجائے میرے ابوجی کا نام شائع کر دیا۔ فوزیہ جیلانی قریشی، کراچی

یہ تو غلطی ہو گئی، مگر اچھے بچّے اپنے باپ دادا کا نام روشن کرتے ہیں۔

★ خاص طور سے چالاک خرگوش، بڑھیا کی پن چکی اور آٹھواں بیٹا کا جواب نہیں تھا۔ نونہال ادیب بھی بہت اچھا تھا۔ فقیر اور ہرن سبق آموز کہانی تھی۔ نظموں میں بچّوں کا عالمی دن بہت دل چسپ نظم تھی۔ ضیا اکرو، حیدرآباد

★ ساری کہانیاں بہترین تھیں۔ اس کے علاوہ لطیفے بھی

بہت چٹپٹے تھے۔ اتنا منفرد اور معیاری رسالہ مجھے کبھی پڑھنے کو نہیں ملا۔

نعمانہ رشید چوہدری، کراچی

★ کہانیوں میں سلسلے وار کہانی چالاک خرگوش، بڑھیا کی بن چکّی، آٹھواں بیٹا اور کریم بخش اردلی بہت پسند آئیں۔ لطیفے بھی اچھے تھے۔ نونہال ادیب میں جناب مدثر ماجد کی کہانی "ستاروں پر کمند" اشتیاق احمد کی کہانی سے نقل شدہ تھی۔

سعدیہ فرحت، کراچی

مدثر ماجد کا نام ؛ سمجھ گئے نا کہ ایک سال کے لیے خارج۔

★ خاص نمبر میں دس بچّوں کے سوالات کی بوچھار میں جناب حکیم محمد سعید کے شگفتہ و برجستہ جوابات بہت اچھے تھے۔ بہت پسند آئے۔

معین الحق شیخ، حیدر آباد

★ خاص طور پر چالاک خرگوش آٹھواں بیٹا، اردو زبان اور اولمپک پر مضمون لاجواب تھے۔

جاوید اقبال کھتری، کراچی

★ میں نونہال کی بہت پرانی قاری ہوں۔ میں نے اسے ہر لحاظ سے بہت عمدہ پایا۔ گھر میں سب ہی اسے پڑھتے ہیں اور پسند کرتے ہیں۔ جب یہ آتا ہے تو سب ہی کی یہی کوشش ہوتی ہے کہ سب سے پہلے وہی پڑھے۔

منوّرہ جبیں، کراچی

★ کہانیوں میں فقیر اور ہرن، آٹھواں بیٹا اور چالاک خرگوش بہت پسند آئیں۔

ظہیر احمد، کامرہ اٹک

★ خاص نمبر اپنے ساتھ پھولوں جیسی خوش بو اور ستاروں جیسی جھلک لے کر آیا۔ تمام مضامین دل چسپ اور حیرت انگیز تھے۔ جاگو جگاؤ بھی بہت عمدہ اور بے مثال ثابت ہوا۔ محترم مسعود احمد برکاتی صاحب کا مضمون ایک محسنہ کے نام اور محترم حکیم محمد سعید صاحب کا مضمون نائگرا آبشار کی سیر بہت ہی پسند آیا۔ تقریباً پورے گھر کو یہ دو مضامین بہت اچھے لگے، لیکن مجھے اور امی کو بہت ہی پسند آئے۔ کہانیاں سب خوب صورت اور بے مثال تھیں۔ نظمیں بہت ہی اچھی اور معیاری تھیں۔ لطیفے بھی بہت اچھے اور ہنسانے والے تھے۔ کہانیوں میں دو کہانیاں بہت ہی پسند آئیں۔ گھوڑے کہاں گئے اور "ہن کے" خوب صورت کہانیاں تھیں۔ نظموں میں گڑیا کی شادی اور پتھر بے مثال معلوم ہوئیں۔

لبنیٰ ناز صدیقی، کراچی

★ خاص نمبر نہایت عمدہ تھا۔ سب نظمیں اچھی لگیں خاص طور پر دلاور فگار صاحب کی نظم "جب تم جوان ہو" کہانیوں میں ملا نصر الدین کا انصاف اور شرلاک ہومز کا استاد پسند آئیں۔ اس کے علاوہ محترمہ فہمیدہ عتیق کا ہن کے اور میرزا ادیب کا ڈراما یہ نہیں ہوگا بھی لاجواب تھا۔ مجموعی طور پر خاص نمبر لاجواب تھا۔ اس میں دو چھوٹی چھوٹی غلطیاں بھی تھیں نمبر ۱۔ چھوٹی لڑکی بڑی کام یابی والے صفحے پر دوسری لائن میں نام "فرح رشید" لکھا گیا ہے جب کہ تصویر کے نیچے فرح خورشید لکھا ہوا ہے۔ نمبر ۲:۔ تحفے میں آخری صفحے پر علامہ اقبال کی نظم کی پہلی سطر میں "یارِ عشق" لکھا ہوا ہے جب کہ "دیارِ عشق" ہونا چاہیے۔

زبیدہ خاتون، کراچی

زبیدہ، تم نے تو کمال کر دیا۔ تمھاری دونوں باتیں صحیح ہیں لڑکی کا نام فرح خورشید ہے۔ اور "دیار" کی دال چھپنے سے رہ گئی ہے۔

★ مجھے نونہال سے اتنی محبّت ہے کہ میں لکھنے سے قاصر ہوں۔ میری عمر ۱۹ سال ہے، جو کوئی بھی دیکھتا ہے میرا مذاق اُڑاتا ہے کہ اتنی بڑی عمر کی لڑکی ہو کر بچّوں کا رسالہ پڑھتی ہو۔ ہر انسان کا شوق ہوتا ہے بڑا ہو یا چھوٹا۔

پروین جانی زخمی، راول پنڈی

شاباش پروین، پڑھے جاؤ اور علم بڑھائے جاؤ، تم کیوں شرماؤ۔ شرمائیں تو وہ جو ہمدرد نونہال نہیں پڑھتے۔

★ حکیم محمد سعید صاحب کا جاگو جگاؤ بہت ہی مفید سلسلہ ہے۔ اس کے شروع میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھا جاتا تھا، مگر افسوس اب نہیں لکھا جاتا۔ اس لیے نامکمل سا لگتا ہے۔

فضل ربی راہی، مینگورہ

★ نونہال ایک بے حد دل چسپ رسالہ ہے۔ اسے ہم بڑے شوق سے پڑھتے ہیں۔ جب ایک مہینہ گزرتا ہے تو دوسرے مہینے کا شدت سے انتظار رہتا ہے۔ برکاتی صاحب، قلمی دوستی کا کالم دوبارہ شروع کر دیں تاکہ دوسرے ملکوں کے بچّوں سے دوستی ہو جائے اور ہم دوسرے ملکوں کے حالات سے واقف ہو سکیں۔

اللہ داد شاد، مکران

★ جاگو جگاؤ اس رسالے کا بہت اہم اور مفید سلسلہ ہے۔ اس کے علاوہ خیال کے پھول میں بڑے لوگوں کے قول ہوتے ہیں جسے انھوں نے عملی زندگی میں پرکھا ہے۔ کہانیاں سب اچھی تھیں۔

محمد افضل احمد، ملتان

★ اس سے پہلے میں دوسرا رسالہ پڑھتا تھا، یہ پہلا اتفاق تھا کہ میں نے آپ کا رسالہ پڑھا اور اسے خوب صورت اور معیاری پایا۔ میں نے فیصلہ کیا ہے کہ آپ کے رسالے نونہال کو اب باقاعدگی سے پڑھوں۔ اس شمارے میں تقریباً تمام کہانیاں خوب صورت تھیں۔ مجھے آپ کے تمام سلسلوں میں "طب کی روشنی میں" اور ہمدرد انسائکلو پیڈیا بہت پسند آئے۔

محمد حفیظ انجم، کوٹ ادّو

★ کہانی فقیر اور ہرن بہت اچھی تھی۔ سلیم فاروقی کی نظم بچّوں کا عالمی دن بھی بہت پسند آئی۔ میری گزارش ہے کہ آپ کوئی جاسوسی سلسلہ بھی شروع کر دیں۔

نازیہ صدیقی، ڈیرہ غازی خاں

★ خاص نمبر پیاری پیاری بے بی کے ساتھ ہنستا مسکراتا ہوا ملا۔ یوں تو نونہال کا ہر شمارہ خاص ہوتا ہے مگر خاص نمبر تو پھر خاص نمبر تھا۔ اللہ اللہ کیا رسالہ تھا ہمارا تو دل نکال کر لے گیا۔ ہر چیز خوب اور ہر بات بے مثال تھی۔ حکیم محمد سعید جیسی ذاتِ گرامی کے تمام روشن پہلو آشکارا ہو گئے اور انھیں کی وساطت سے نائگرا آبشار کی سیر سے لطف اندوز ہوئے۔

شازیہ رسول، ٹوبہ ٹیک سنگھ

★ لوگ تعریف اس لیے کرتے ہیں کہ بھئی یہ شخص اپنے کام میں اور محنت کرے۔ تعریف کا مقصد ایک طرح کی حوصلہ افزائی ہے، مگر نونہال تو تعریف کی حد کو چھو کر دعا کی حد پر آگیا ہے۔ میری دعا ہے کہ اے پروردگار، نونہال کو پوری دنیا کے مشہور رسالوں میں شامل کر دے جو کسی تعریف کے محتاج نہیں۔

محمد عمران صدیقی، اسلام آباد

★ اکتوبر کا نونہال پڑھا نظم میرے ارادے بہت اچھی تھی۔ کہانیاں بھی سب ٹھیک تھیں۔

ناہید ناز

★ جاگو جگاؤ میں حسبِ معمول حکیم صاحب نے اپنے متاثر کُن الفاظ سے ہمیں قائل کر لیا اور صحت اور سادگی کے باہمی رشتے پر خوب مفید باتیں کیں۔ ساجد علی ساجد صاحب نے اولمپک کے بارے میں اپنے پچھلے مضامین میں اولمپک کی تاریخ اور اہم واقعات کو نہایت دل چسپ انداز میں پیش کیا اور مفید معلومات سے آگاہ کیا۔ اس بار بھی ان کا مضمون بہترین تھا اور تصاویر بھی خوب تھیں۔ کہانیوں کا زور کم رہا البتہ چالاک خرگوش پڑھ کر مزہ آگیا۔ نونہال ادیب کی تحریروں کو پڑھ کر اندازہ ہوا کہ ہمدرد نونہال نے ننھے ادیبوں کے معیار کو بلند کرنے کے لیے کافی محنت کی ہے۔ آج ہمیں فخر ہے کہ نونہال ادیبوں کی بہترین تحریریں نونہال کی زینت بنتی ہیں۔ مجموعی طور پر رسالہ بہترین اور تنقید سے پاک ہے، لیکن ایک چیز کی کمی محسوس ہوئی اور وہ ہے دو مسافر دو ملک اس کے بغیر رسالہ پھیکا پڑ گیا ہے۔ اب ذرا لگے ہاتھوں کوئی دوسرا سفرنامہ بھی لکھ ڈالیے۔ یقین جانیے آپ کا اندازِ تحریر مجھے بہت پسند ہے۔ آپ اپنے مضمون میں شروع سے آخر تک دل چسپی قائم رکھتے ہیں اور ساتھ میں مزاح کا عنصر شامل کر کے اس کا لطف دوبالا کر دیتے ہیں اور پڑھنے والا مسحور ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ معلوماتِ عامہ کے متعلق صرف اتنا کہوں گا کہ سوالات اچھے اور مشکل تو ہوتے ہیں، لیکن ان میں توازن نہیں ہوتا۔

مشتاق رحمت اللہ، کراچی

★ میں نے ہمیشہ دیکھا ہے کہ آپ امیر بچّوں پر زیادہ زور دیتے ہیں۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ محمد راشد، کراچی

ہمیں کسی کی امیری غریبی کا حال کیا معلوم! اس بار جاگو جگاؤ غور سے پڑھ لو۔

★ جاگو جگاؤ اپنی مثال آپ تھا۔ کہانیوں میں چالاک خرگوش، فقیر اور ہرن (علی اسد) آٹھواں بیٹا (مناظر صدیقی) اور بڑھیا کی پن چکّی (حمیرا صدف) بہت پسند آئے۔ البتہ لطیفے بور تھے۔

عمران، حیدر آباد

★ جاگو جگاؤ نے ہر بار کی طرح دل کو متاثر کیا۔ میں تقریباً پچھلے سات ماہ سے نونہال کا مطالعہ کر رہا ہوں۔ نونہال کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے۔ نظم اباجان اور بچوں کا عالمی دن بہت ہی سبق آموز تھیں۔ اس میں ایک نظم علم کے فائدے ریاض احمد شکارپوری نے لکھی ہے، جو پانچویں جماعت کی پنجاب ٹیکسٹ بُک کی اردو کی کتاب سے نقل شدہ ہے۔ اس نظم کے مصنف اے نیر ہیں۔ جمال الدین انجم، کراچی

ریاض احمد، شکارپور کا نام ایک سال کے لیے نوٹ کر لیا گیا ہے۔

★ کہانیوں میں سے فقیر اور ہرن، بڑھیا کی پن چکی بہت اچھی کہانیاں ہیں۔ سلسلے وار کہانی چالاک خرگوش کا جواب نہیں ہے۔ لعل بخش آزاد بلوچ، بل نگور، مکران

★ خاص طور پر فقیر اور ہرن، چالاک خرگوش اور آٹھواں بیٹا بہت پسند آئیں اور اس کے ساتھ ساتھ اولمپک جھلکیاں بے حد پسند آئیں۔ لطیفے کا معیار گر گیا ہے، نونہال پرانے لطیفے بھیج دیتے ہیں۔ اصغر علی، خالد علی، شاہد علی، ٹنڈو جام

★ اکتوبر کا نونہال پڑھا بہت اچھا تھا چالاک خرگوش، فقیر اور ہرن، حمد اور لطیفے بہت پسند آئے۔ مجھے حکیم محمد سعید صاحب کی کتاب سنہرے اصول چاہیے کیا کروں؟ عالم مقبول، کراچی

مبلغ تین روپے کا منی آرڈر ہمدرد فاؤنڈیشن، ناظم آباد کراچی کے پتے پر بھیج دیجیے۔

★ جاگو جگاؤ نے متاثر کیا۔ نظم "اقبال کے شاہین" کتاب کی جان تھی۔ اس کے علاوہ پتھر دل، دوات کی آپ بیتی، چالاک خرگوش بہت اچھی کہانیاں تھیں۔ گل صنوبر، کراچی

★ میں پچھلے پانچ سال سے نونہال پڑھ رہا ہوں اور ان کو حفاظت سے سنبھال کر رکھ رہا ہوں، کیوں کہ ان شماروں میں نہ صرف کہانیاں اور مضامین ہوتے ہیں بلکہ مشکل الفاظ کا صفحہ بھی ہوتا ہے جس سے ہمیں اسکول کے کام کرنے میں مدد ملتی ہے۔

محمد عثمان غنی خاں

★ تمام کہانیاں لاجواب تھیں اور پورا شمارہ گلاب کی خوش بو سے مہک رہا تھا اور حکیم محمد سعید صاحب کی سال بھر کی محنت کا میٹھا پھل قارئین کی نظروں کے سامنے تھا۔

محمد حنیف وقار، بہاول نگر سٹی

★ میں نے نونہال کو پہلی مرتبہ خریدا ہے اور مجھے اس سے اتنی دل چسپی پیدا ہو گئی ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ بھی یہ رسالہ لیتا رہوں گا۔ سید ذوالفقار علی شاہ، ٹھٹھ سندھ

★ میری پھوپھی بھی اپنے بچپن میں آپ کا رسالہ پڑھا کرتی تھیں اس لیے میرے پاس پرانے پرانے نونہال ہیں جو میں بار بار پڑھتا رہتا ہوں۔ اکتوبر کا نونہال بہت اچھا تھا۔ کارٹون مزے دار تھا۔ سعید صدیقی، کراچی

★ میں آپ کا رسالہ باقاعدگی سے پڑھتی ہوں۔ اس رسالے میں ہمیں بے حد مفید اور دل چسپ باتیں بتائی جاتی ہیں جنھیں پڑھ کر ہماری معلومات میں اضافہ ہوتا ہے۔

کنول افشین، کراچی

★ جب سے مجھے پڑھنا آیا تو میں نے نونہال کو پایا۔ میری بڑی بہن نونہال بڑے شوق سے پڑھا کرتی تھیں اور پڑھتی ہیں۔ انھیں دیکھ کر مجھے بھی نونہال پڑھنے کا شوق پیدا ہوا۔ جب میں نے نونہال کھولا تو اُسی وقت پورا پڑھ ڈالا۔

احمد انس پاشا

★ کہانیوں میں فقیر اور ہرن اور چالاک خرگوش کا سلسلہ بہت ہی اچھا ہے۔ نونہال کی تصویریں بہت ہی بے کار ہیں، کیوں کہ وہ کارٹون ہیں اور نونہال میں کہانیاں بہت ہی کم آتی ہیں۔ آپ کہانیاں زیادہ دیا کریں۔

محمد رفیق زاہد بلوچ، گوادر

★ خاص طور پر فقیر اور ہرن، آٹھواں بیٹا اور سلسلے وار کہانی چالاک خرگوش تو بہت ہی مزے دار کہانیاں تھیں جانوروں کے عجیب و غریب گھر اور اردو زبان بہت ہی پسند آئیں۔ نظموں میں محمد انوار احمد صاحب کی نظم نمبر لے گئی۔

یعقوب خان، راول پنڈی

★ نونہال وہ واحد رسالہ ہے جو ہر عمر کے نونہالوں کے

لیے خوشی کا پیغام بن کر آتا ہے۔

کریم بخش بلوچ، کراچی

★ قسط وار کہانی چالاک خرگوش بالکل پسند نہیں آئی۔ آپ لوگ نونہال میں زیادہ تر جانوروں کی کہانیاں چھاپتے رہتے ہیں۔ سبق آموز اور دل چسپ کہانیاں بہت کم نظر آتی ہیں۔ سچ پوچھیں تو مجھے اس دفعہ کا نونہال کوئی خاص نہیں لگا۔ تحفے پڑھ کر خوشی ہوئی اور اس کے علاوہ ہمدرد انسائکلوپیڈیا پڑھ کر معلومات میں اضافہ ہوا۔ نونہال ادیب میں تقریباً سب ہی مضامین اچھے تھے۔

شازیہ ہاشم، کراچی

★ اگست کے شمارہ میں میرا خط شائع نہیں ہوا حالانکہ میں نے پورے چار مہینے بعد خط لکھا تھا لیکن مجھے پھر بھی محروم رکھا گیا۔ خیر میں نہ تو کوئی دھمکی دوں گی نہ رسالہ پڑھنا بند کروں گی کیوں کہ بہ قول آپ کے آپ تو ہمارے دوست ہیں اور دوستوں سے شکوہ کیسا؟

لبنیٰ اعجاز، کراچی

خاص نمبر کے بارے میں ہزاروں خطوط ملے، مگر جگہ کی کمی کی بنا پر، بہت کم شائع ہو سکے۔ چند خط اس بار بھی شامل ہیں اور خاص خاص خط آیندہ بھی شائع کرتے رہیں گے۔

• ان نونہالوں کے نام جنھوں نے اچھے اچھے خط لکھے، لیکن جگہ کی کمی کے باعث اُن کے صرف نام دیے جا رہے ہیں۔

کراچی:۔ محمد صالحین ضیا، ناظمہ ارم، محمد اوصاف کمال، عبدالحنیف خان غوری، محمد علی، گل مراد اعوان، معصوم اکرم زخمی، خالد محمود قریشی، محمد عثمان عبدالستار، محمد اکبر، محمد فراز منور، خالد پرنس، اظفر رحمان، ریحانہ حبیب، محمد آصف صدیقی، سید مصطفےٰ حسین، سمانہ حبیب، سید آصف مصطفےٰ النقوی، عبدالرحمٰن، منظور حسین، راشد اقبال، سید عابد حسین، اختر علی، امیر علی میر، غلام قادر، خالد مجید چشتی، علی محمد ابراہیم خلیفہ ہُرا، محمد یعقوب، خالد و نسرین، شائستہ نازش قادری، رختاج، ریحانہ، محمد عامر عزیز، شان زہرا، وجاہت اللہ خان، شائستہ ربانی، فیصل صدیقی،

سیال کوٹ: کلثوم نذیر، صدف نذیر۔ نواب شاہ: بشیر احمد بھٹی۔

حیدر آباد:۔ خرم عادل، فرخ عادل، وقار عادل، سلمان عادل، عدنان عادل۔

راول پنڈی: نگہت رسول۔ بہاول نگر: مختیار احمد انجم۔ حیدر آباد: ارم نذیر، بشریٰ خان۔ لاہور: مونا عروج بٹ۔ نوآباد:۔ محمد آصف طیب۔ ہری پور ہزارہ: ملک کریم بخش اعوان۔ اسلام آباد: نبیلہ عبداللہ بلوچ۔ ایبٹ آباد: فضل کریم۔ بھیرہ: خواجہ انوار احمد خان۔ سیاکھ: چودھری محمد نذیر تبسم۔ ٹھٹھہ: ذوالفقار علی شاہ۔ الڈکا پتھورو: حاجی علیم الدین۔ بورے والا: شاہد احمد رفیق۔ احمد پور شرقیہ: رضی الدین۔ کوئٹہ:۔ محمد یوسف۔ ملتان: مجید احمد ساجد، محمد اسلم عابد، عبدالشکور۔ راول پنڈی:۔ محمد عادل منظور۔ مقام نامعلوم: صدف رشید، اطہر حسین، صائمہ ذاکر، قمر حسین، مشتاق خلجی، محمود خلجی، آفتاب خلجی، عرفان خلجی۔

انعامی سوالات ـــــ چند باقی نام

"ہمدرد نونہال" (خاص نمبر ۸۴ء) کے معلومات عامہ ۲۲۱ کے انعامی سوالات کے جوابات بھیجنے والے کئی نونہالوں کے نام غلطی سے نومبر ۸۴ء کے شمارے میں شائع ہونے سے رہ گئے تھے۔ مندرجہ ذیل نونہالوں نے ۲۵ تا ۲۹ جوابات صحیح لکھے تھے۔ ہم ان سے معافی چاہتے ہیں۔ انھیں بھی جناب حکیم محمد سعید کی دستخط شدہ ایک ایک کتاب ڈاک کے ذریعے سے بھیجی جائے گی۔

کراچی	نجم السحر صدیقی	ساجد مسعود نیازی	حیدر آباد
عبدالباسط	قاسم گادت	لبنیٰ احمد	غزالہ رحمٰن
ذبیح اللہ خاں	م قریشی	سعید احمد شاداب، سکھر	شفاالحسن انصاری، پرانا سکھر

معلومات عامّہ ۲۲۲ کے صحیح جوابات

ہمدرد نونہال کی مقبولیت میں جیسے جیسے اضافہ ہوتا جارہا ہے معلوماتِ عامّہ کے جوابات میں حصّہ لینے والوں میں دِل چسپی بڑھتی جارہی ہے۔ ہم سے بعض نونہالوں نے شکایت کی ہے کہ ہماری تصویریں کیوں شائع نہیں کی گئیں، جب کہ ہمارے تمام جوابات درست تھے۔ بات یہ ہے جن کی عمر اچھی ہوگئی ہے یا وہ اپنی عمدہ صحت کی وجہ سے ماشاء اللہ جوان معلوم ہوتے ہیں ان کی تصویریں نونہالوں کے ساتھ کچھ اچھی نہیں معلوم ہوتیں۔ اس لیے ہم ذرا تامل کرتے ہیں۔ ویسے بھی اصل چیز تو نام ہے۔ نام بہت بڑا انعام ہے۔ معلوماتِ عامہ ۲۲۲ کے صحیح جوابات یہ ہیں:

۱۔ "یہ دونوں بچے دنیا میں میرے پھول ہیں"، یہ الفاظ حضور اکرم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کے لیے فرمائے تھے۔

۲۔ نئی آزاد مسلمان ریاست "برونائی" کے سربراہ کا نام حسن البُلقیہ ہے۔

۳۔ کرکٹ کی اُس چیمپین شپ کا نام "سنگل وکٹ چیمپین شپ" ہے، جس میں فاضل رنز بھی بیٹس مین کے اسکور میں شامل کر دیے جاتے ہیں۔

۴۔ دُنیا کا سب سے اونچا ڈیم سوئٹزر لینڈ میں ہے۔

۵ ملکہ وہ شخصیت ہے، جسے تخت و تاج کا مالک ہونے کے باوجود بادشاہ نہیں کہا جاتا۔

۶۔ ایک ملین لکھنا ہو تو چھے صفر لگانے پڑیں گے۔

۷۔ "لغت" عربی زبان کا لفظ ہے۔

۸۔ آپ سو کر اُٹھتے ہیں تو سب سے پہلے آنکھیں کھولتے ہیں۔

۹۔ مونگ پھلی سب سے زیادہ بندر کو پسند ہے۔

۱۰۔ شادی شدہ لوگ غیر شادی شدہ لوگوں سے زیادہ عمر پاتے ہیں۔

صحیح جوابات

اب کی بار معلومات عامہ ۲۲۲ کے دس سوالوں کے صحیح جوابات کسی کے بھی موصول نہیں ہوئے۔

نو صحیح جوابات بھیجنے والوں کے نام

کراچی
اسلام الدین انصاری
محمد شفیق انصاری
سید آصف مصطفٰے
شوکت اعجاز

زاہد آفاق
سید احسان الحق قادری
محمد عارف عزیز
محمود احمد قریشی
مشتاق رحمت اللہ

راشد اقبال
آفتاب عالم
نواب شاہ
اینلا رجب علی
محسن رجب علی

شبیر حسن رجب علی
اشفاق احمد آرائیں، ڈگری
محمد صابر، ڈگری
محمد امین سیف الملوک، ڈگری
مسعود احمد صدیقی، لودھراں

نو صحیح جوابات بھیجنے والوں کی تصاویر

رفیق الدین، کراچی | محمود سمیع انصاری، پرانا سکھر | محمد محبوب الرحمٰن، کراچی | شفاء الحسن انصاری، پرانا سکھر

ہمدرد
نونہال
دسمبر ۱۹۸۴ء
رجسٹرڈ ایس نمبر ۱۹۰۳